سیرت النبی پر مشتمل بصیرت افروز مضامین کا مجموعہ
سیرتِ طیبہ کے
چند درخشاں پہلو
درخشاں نگار
حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی
ناشر
ہاجرہ رضویہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ جمشید پور

سیرت النبی پر مشتمل بصیرت افروز مضامین کا مجموعہ
سیرت طیبہ کے
چند درخشاں پہلو
درخشاں نگار
حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی
ناشر
ہاجرہ رضویہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ جمشید پور

کتاب کا نام	:	سیرت طیبہ کے چند درخشاں پہلو
درخشاں نگار	:	حافظ محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی
ترتیب وتقدیم	:	مولانا محسن رضا ضیائی
پروف ریڈنگ	:	مولانا طفیل احمد مصباحی
کمپوزنگ	:	ضیائی گرافکس، پونہ، مہاراشٹر
صفحات	:	140
تعداد	:	1000
قیمت	:	آپ کا مطالعہ اور دعا برائے صحت وعافیت وخاتمہ بالخیر
ناشر	:	ہاجرہ رضویہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ، جمشید پور

ملنے کے پتے

❁ حافظ محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی، ہاشمی منزل، نزد مسجد قبا، روڈ نمبر ۱۳/A جواہر نگر، آزاد نگر، مانگو، جمشید پور، جھارکھنڈ، پن کوڈ 832110

❁ مسجد ہاجرہ رضویہ، اسلام نگر، کپالی وایا، مانگو، جمشید پور، جھارکھنڈ، پن کوڈ 831020

❁ ایم ایس رچیپ اٹیچی ہاؤس اینڈ براق فون، دوکان نمبر ٹی ڈی 2 ٹینک روڈ، ساکچی، جمشید پور، جھارکھنڈ، 831001

فون نمبر: 9279996221/9431332338

عنوان	صفحہ
❁ بہ یک نظر	٦
❁ تقدیم	١٠
❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان وعظمت	٢٠
❁ رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ادنیٰ سی بھی گستاخی کفر ہے	٢٨
❁ شانِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۴١
❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقۂ دعوت وتبلیغ	٥٠
❁ دشمنوں کے ساتھ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاقِ کریمانہ	٥٩
❁ جنگ بدر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کردار	٦٦
❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایفاے عہد	٧٦
❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تحفۂ معراج	٨۴
❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاجرانہ زندگی	٨٨
❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ حیثیت شافعِ محشر	٩٦

❁ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظامِ عدل ومساوات	۱۰۴
❁ محسن کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حقوق حیوانات	۱۰۹
❁ اخلاقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چند جھلکیاں	۱۱۴
❁ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنوں کے لیے دعائیں	۱۱۹
❁ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عفو ودرگذر	۱۲۸
❁ ماہِ ربیع الاوّل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام	۱۳۵

آبائی وطن:

محلہ قاضی گڑھی، قصبہ مورانواں، ضلع اناؤ، یوپی۔

تحصیل علم:

آبائی وطن میں زمانہ قدیم سے چلتا آرہا مدرسہ ضیاء الاسلام مورانواں میں ابتدائی تعلیم کے ساتھ ناظرہ کے بعد حفظ قرآن ۱۸/ پارے۔اس کے بعد کانپور جوہی جامع مسجد میں ایک سال حفظ کیا۔استاذ گرامی حافظ محمد شمعون صاحب انتہائی نیک، خوش آواز، پڑھائی میں انتہائی سخت، متشابہات پر زبردست عبور۔فلاں پارہ میں فلاں آیت کریمہ کا متشابہ یہاں ہے، انہیں سب یاد رہتا تھا۔کانپور کے بعد وہاں سے لکھنؤ مدرسہ عالیہ وارثیہ مچھلی محال میں قرأت کی تعلیم حاصل کی۔ پھر قسمت کا ستارہ اور بلندی پر پہنچا اور ہندوستان کی مشہور و معروف درسگاہ "الجامعۃ الاشرفیہ"، مبارکپور، اعظم گڑھ پہنچ گیا اور استاذ گرامی حافظ وقاری محمد جمیل صاحب کی نگرانی میں حفظ مکمل کیا اور وہیں سے فراغت بھی نصیب ہوئی۔آگے کی تعلیم درس نظامی کی جاری تھی اور پھر قسمت نے پلٹی ماری اور زندگی کا انتہائی تاریک دن آ گیا، جس کو میں کبھی بھول نہیں پاؤں گا۔آج بھی وہ دن یاد ہے اور کلیجہ منھ کو آتا ہے۔گنگا جمنی تہذیب والے ملک کا جو بدنما داغ ہے فساد، فساد جو بد قسمتی سے آج بھی اور زیادہ کالا داغ بن کر ملک کے ماتھے پر بدنما داغ کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ بدنام زمانہ ۱۹۷۹ء کا ہندو مسلم فساد جمشید پور میں ہوا اور والد گرامی کی دکان (عبد الحفیظ المونیم مرچنٹ) جو منیہاری مارکیٹ، ساکچی میں تھی، پوری مارکیٹ جلا دی گئی، کتنے ہی گھر اجڑ گئے اور کتنوں کا مستقبل تاریک ہو گیا۔ان ہی کم نصیبوں میں ناچیز بھی تھا۔گھریلو حالات انتہائی سخت ہو گئے جو بیان سے باہر ہیں۔ والدہ ماجدہ ہاجرہ بی بی

نے کہا تم تعلیم جاری رکھو، گھریلو حالات کی فکر نہ کرو۔ افسوس! ان کی بات مانتا تو شاید آج اتنا قلق نہ ہوتا۔ بہر حال مادرعلمی الجامعۃ الاشرفیہ کو چھوڑ کر جمشید پور آ گیا اور اٹیچی بیگ کا کاروبار شروع کیا۔ اللہ نے مدد فرمائی، جلد ہی کاروبار ترقی کرنے لگا۔ یہاں تک کہ کارخانہ بھی قائم ہو گیا۔ ۱۶ رکاریگر کام کرنے لگے۔ بڑے بھائی حاجی محمد قاسم صدیقی اور چھوٹے بھائی محمد عبد الکریم کا نپور لیدر، منیہاری مارکیٹ کی دکان پر بیٹھتے تھے اور میں ساکچی ہی میں ٹینک روڈ میں بڑی دکان میں سوٹ کیس، ریپیرنگ اینڈ سیلس سنٹر میں بیٹھتا اور کارخانہ کی ذمہ داری بھی سنبھالتا۔ داستان قدرے طویل ہے، بس اسی پر اکتفا کر رہا ہوں۔

والدہ ماجدہ ہاجرہ بی بی اور والد گرامی حاجی عبد الحفیظ نے وصیت فرمائی۔ حافظ جی میں ''جی'' کو بہت لمبا کر کے بولتی تھیں۔ بہت پیارا لگتا تھا۔ کاش وہ ''جی'' اب ایک بار ہی سننے کو مل جائے۔ آپ تعلیم کو بزنس نہ بنانا اور اپنے مولوی لائن سے نہ ہٹنا، کاروبار کرتے رہو۔ الحمد للہ! ان کی وصیت کے مطابق میں نے عمل کیا، دینی سرگرمیوں میں ہمیشہ لگا رہا اور آج بھی لگا ہوا ہوں، اور ان شاء اللہ آگے بھی لگا رہوں گا۔ ایسٹرن انڈیا کے مشہور ادارہ اور عالمی درجہ کے عالم دین حضور علامہ ارشد القادری علیہ الرّحمہ کے قائم کردہ مدرسہ فیض العلوم میں حضور علامہ ارشد القادری علیہ الرّحمہ کے زمانے سے ہی نائب سکریٹری و ناظم تعلیمات کے عہدے پر رہا۔ پھر یہ سلسلہ آگے بڑھتے ہوئے علامہ کے پوتے حضرت مولانا خوشتر نورانی صاحب کے ڈائرکٹر بننے پر ان کی معاونت میں بھی یہ خدمت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد علامہ کے صاحبزادے علامہ ڈاکٹر زرقانی صاحب کے مہتمم بننے پر جنرل سکریٹری کے عہدے پر خدمات انجام دیں۔ مدینہ مسجد، آزادنگر کی صدارت پر بھی خدمات انجام دیں۔ پھر طبیعت کی ناسازی، صحت کی خرابی اور کچھ مجبوریوں کی وجہ سے میں نے رخصت لے لی۔ اس طرح اور

بھی کئی اداروں میں صدر/سکریٹری/خازن کی خدمات انجام دے رہا ہوں۔

والدہ ماجدہ کے نام سے مسجد ہاجرہ رضویہ کی بنیاد مورخہ ۱/ مارچ ۱۹۹۶ء بروز جمعہ رکھی گئی۔ الجامعۃ الاشرفیہ کے مجلسِ شوریٰ کے رکن حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب قبلہ اور حضرت مولانا نصراللہ صاحب اور بڑے بڑے اہل سنت و جماعت کے علمائے کرام کے مقدس ہاتھوں بنیاد رکھی گئی۔ آج الحمدللہ! شاندار وسیع وعریض مسجد دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور ساتھ میں ملحق مدرسہ غریب نواز بھی قائم ہے، جس میں محلہ کے بچے تحتانی درجہ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مسجد و مدرسہ کا ٹرسٹ قائم ہے اور ٹرسٹ کے ماتحت ایک کمیٹی کام کر رہی ہے۔ ناچیز ٹرسٹ کا چیرمین اور کمیٹی کا صدر ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مسجد ہاجرہ رضویہ میں جمعہ کا خطاب ونماز اور عیدین میں خطاب اور نماز ادا کرنے کی خدمت انجام دیتا ہے۔ اس کے علاوہ شہر و اطراف کی بہت سی مسجدوں میں بھی جمعہ میں خطاب کرنا، نماز پڑھانا، کہیں کہیں صرف خطاب کرنا یہ خدمت بھی انجام دیتا ہے۔ طیبہ مسجد وارث کالونی، مسجد ہاشمی کپالی، شبینہ مسجد جواہر نگر، طیبہ مسجد جواہر نگر، صابری نوری مسجد، جواہر نگر، مسجد قبا جواہر نگر، منشی محلہ مسجد مانگو، اقرا مسجد نیورانی کدر، انوارالاسلام مسجد مخدوم پور (یہاں عیدین کی نماز و خطاب بھی کرتا ہوں)، حسینی مسجد ذاکر نگر، مدینہ مسجد آزاد نگر، فیض العلوم مکہ مسجد دھتکیڈیہ اور جامع مسجد گولموری۔ واضح رہے یہ چاروں مسجدیں شہر کی بڑی مسجدیں ہیں۔ گولموری مسجد میں عیدین کا خطاب ونماز بھی پڑھاتا ہوں۔ دھتکیڈیہ عیدگاہ میں عیدین کا خطاب بھی شامل ہے۔

لکھنے کا شوق زمانۂ طالب علمی ہی سے تھا۔ اشرفیہ میں بھی انعام سے شرفیاب ہوا۔ شاہ بانو والے کیس میں عارف محمد خان سنٹرل گورنمنٹ کے منسٹر سے اخبار آزاد ہند کلکتہ، اقرا کلکتہ، اخبار مشرق کلکتہ، غازی کلکتہ، نئی دنیا دہلی اور پیغام دہلی، وغیرہ میں مسلسل چھ مہینے بحث چلی۔ اس طرح مشہور اخبار بلٹز ممبئی، جو اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا تھا، اس کے

مشہور کالم نگار اور فلمی رائٹر خواجہ احمد عباس سے تقریباً چار مہینہ بحث چلی۔ اور کئی دلچسپ باتیں ہیں۔ یہ سب میرے والدین کی دعائیں، میرے پیر ومرشد شہزادۂ اعلیٰ حضرت مصطفیٰ رضا خاں بمشہور حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان و بزرگانِ دین کا فیضانِ کرم ہے۔ نبی کریم شفیع المذنبین کی بارگاہ میں جو مضامین لکھے سب محفوظ نہ رہ سکے۔ آدھے سے زیادہ ضائع ہوگئے، ریکارڈ نہ رکھ سکا، جو محفوظ ہیں وہ پیش ہیں۔ حضور قبول فرمالیں۔ آپ پڑھیں، دعاؤں سے نوازیں۔ کوئی اصلاح کی بات ہو تو بلا تکلف فرمائیں احسان ہوگا۔

دعاؤں کا طالب

حافظ محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی

ہاشمی منزل، نزد مسجد قبا، روڈ نمبر ۱۳/A جواہر نگر،

آزاد نگر، مانگو، جمشید پور، جھارکھنڈ،

تقدیم

سیرت تاریخ کا ایک ایسا زرّیں اور درخشاں باب ہے، جس کی روایت صدیوں پر محیط ہے۔ اسے حدیث کا ایک اہم جز بھی مانا جاتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال اور تقریرات کی مکمل بحث ہوتی ہے، جس کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل زندگی سے ہے۔ اسی طرح سیرت کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ قرآنی تعلیمات کی عملی تفسیر ہے۔ کیوں کہ قرآن کریم کی بیشتر آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور حیاتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو دل کش، دل نشیں، اور عمدہ پیراوے میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی لیے سیرتِ طیبہ کو کماحقّہٗ سمجھنے کے لیے قرآن کریم کا سمجھنا بھی ضروری ہے۔ سیرت کی سچی و حقیقی تفہیم بغیر قرآن فہمی کے ممکن نہیں۔

تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ سیرت نگاری کی ابتدا دورِ صحابہ میں ہوئی۔ اس سے پہلے سیرت نگاری کے کچھ بھی شواہد و ثبوت نہیں ملتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اہلِ عرب کو تاریخ و سیر سے کوئی ذاتی دل چسپی نہیں تھی، کیوں کہ قبلِ اسلام جزیرۃ العرب کے صحراؤں، نخلستانوں اور قصبہ نما شہروں میں رہنے اور بسنے والے قبائلِ عرب لکھنے پڑھنے سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے تھے۔ لیکن یہ بات تو مسلمۂ حقیقت ہے کہ وہ اپنے آبا و اجداد، جانوروں اور مویشیوں کے انساب و اسما کو زبانی یاد کر لیا کرتے تھے۔ ان کے خداداد حافظہ اور یادداشت کا عالم یہ تھا کہ انہیں کئی پیڑیوں اور خاندانوں کے اسما و انساب زبانی یاد رہا کرتے تھے، جنہیں وہ بہ طور شرف و تفاخر بازاروں، شاہراہوں اور محفلوں میں بیان کیا کرتے تھے۔ لیکن ان میں سیرت نگاری کا کوئی بھی رواج و رجحان نہیں پایا جاتا

تھا۔ یہ بات طے ہے کہ سیرت نگاری کا باضابطہ آغاز دورِ نبوی ﷺ کے بعد ہوا، جس میں آپ ﷺ کے سیر و مغازی، اقوال و ارشادات اور جمیع احوال و آثار کو جمع کیا گیا۔

یہاں سیرت کے لغوی و اصطلاحی معانی پیش کیے جا رہے ہیں، جن سے سیرت کی وسعت و جامعیت کا اندازہ لگانا قدرے آسان ہوگا۔

لفظِ ''سیرت'' دراصل عربی زبان کا ایک لفظ ہے، جو **سار، یسیر، سیراً، مسیراً** سے ماخوذ ہے، جس کے معانی سفر کرنا، جانا اور چلنا کے آتے ہیں۔ (المنجد، ص:۵۰۶)

اسی طرح اصطلاحاً اللہ کے رسول ﷺ کے سیر و مغازی، احوال و آثار اور اخلاق و عادات کو کہا جاتا ہے۔

اس کے معانی چال چلن، طور طریقہ اور شکل و ہیئت کے بھی آتے ہیں، جیسا کہ قرآن عظیم میں بیان کیا گیا:

:قال خذها ولا تخف سنعيدها سيرتها الاولىٰ (طٰهٰ:۲۱)

فرمایا اسے اٹھالو اور ڈرو نہیں، ہم اسے ابھی اس کی پہلی ہیئت میں کر دیں گے۔

احادیثِ مبارکہ میں بھی متعدد مقامات پر لفظِ سیرت کا استعمال ہوا ہے، جہاں اس سے طور طریقہ اور چال چلن مراد ہے۔ اس حوالے سے ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں:

''قام علی علی المنبر فذكر رسول الله ﷺ فقال قبض رسول الله ﷺ واستخلف ابوبکر رضی الله عنه فعمل بعمله وسار بسیرته حتیٰ قبضه الله عزوجل علی ذلك فعمل بعملها وسار سیرتهما حتیٰ قبضه الله عزوجل علی ذلك (فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل ۱۰۱)''

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے اور آپ نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''جب آپ کی روح قبض کر لی گئی تو آپ کے بعد حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب کیے گیے۔حضرت ابوبکر نے آپ جیسے کام کیے اور آپ کی سیرت پر چلے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو بھی قبض کرلیا۔آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب کیے گیے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ان دونوں جیسے کام کیے اور ان کی سیرت پر چلے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو بھی قبض کرلیا''۔

لہذا قرآن و احادیث کی رو سے معلوم ہوا کہ سیرت ایک ''لفظِ مشترک'' ہے، جس کے کئی ایک معانی ہیں ،لیکن سیاق وسباق کے لحاظ سے مختلف معانی مراد لیے جاتے ہیں۔یہ امر نہایت ہی قابلِ توجہ ہے کہ جب کبھی بھی لفظِ ''سیرت'' کو تحریر وتقریر میں مجرد یا عمومی استعمال کیا جائے گا تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت مراد ہوگی۔اور جب کسی اور دیگر شخصیات پر اس کا اطلاق کیا جائے گا تو سیرت کے بعد اس کے نام کا لاحقہ ضروری ہوگا ،جیسا کہ سیرت نگاروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ بھی دیگر شخصیاتِ اسلام کی تاریخ وسوانح کے لیے اس کا استعمال کیا ہے۔چناں چہ سیرتِ صحابہ، سیرتِ ائمۂ اربعہ، سیرت خلفاے راشدین اور سیرتِ تابعین وغیرہ جیسی بے شمار کتب موجود ہیں ،جن کے ساتھ سیرت کے لفظ کے بعد نام کو ذکر کیا گیا ہے۔

سیرت نگار حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خصوصاً تین امور کو سیرت میں پیش کرتے ہیں: (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا فرمایا؟ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا کام کیا؟ (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے یا آپ کے وقت میں کیا کِیا گیا؟

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر دورِ صحابہ سے لے کر اب تک ان گنت و بے شمار کتب لکھی گئیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت کے ان تین امور کو بہ طور خاص پیش کیا گیا۔ چناں چہ دورِ امویہ وعباسیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کے مختلف پہلوؤں کو مختلف زاویوں سے سپردِ قلم کیا گیا۔اس دور میں سیرت النّبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کئی ایک مستند ومعتبر اور جامع کتب لکھی گئیں،

جن میں سب سے زیادہ مقبولت وشہرت محمد ابنِ اسحٰق ابن یسار رضی اللہ عنہ (۸۵ھ--۱۵۱ھ) کی کتاب ''سیرتِ ابنِ اسحٰق''، محمد ابنِ سعد (۱۶۸ھ--۲۳۰ھ) کی کتاب ''طبقات الکبریٰ'' اور محمد بن عمر الواقدی (۱۳۰ھ---۲۰۷ھ) کی کتاب ''کتاب المغازی'' کو حاصل ہوئی۔ یہ تینوں کتابیں سیرت النّبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر مرجع و مآخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مذکورہ بالا کتب میں ''سیرتِ ابنِ اسحٰق'' واحد ایسی کتاب ہے، جس کو ہر دور میں مرجع و مآخذ اور قابلِ استیناد واعتبار روایات کی حیثیت سے بہت زیادہ شہرت ومقبولیت حاصل رہی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر لکھی جانے والی سب سے پہلی کتاب ہے، جس کا پورا نام ''سیرتِ رسول پاک بروایتِ ابنِ اسحٰق'' ہے۔ اس کے سیرت نگار محمد ابنِ اسحٰق ابنِ یسار رضی اللہ عنہ ہیں، جو ایک تابعی رسول بھی ہیں، جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربار کے خوشہ چیں اور فیض یافتہ جماعتِ صحابہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احوال وواقعات اور اقوال وارشادات پوچھ پوچھ کر نہایت ہی عرق ریزی اور جاں فشانی سے کتابی شکل میں مدوّن ومرتّب کیا۔ آپ ایک جلیل القدر محدث، فقیہ، ثقہ راوی اور سیر ومغازی کے امام بھی ہیں۔ آپ کی محدّثانہ ومؤرّخانہ عظمت وعلمیت علماے متقدمین ومتاخرین سبھی کے نزدیک مسلم ہے۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی سیرتِ رسولِ پاک بروایتِ ابنِ اسحٰق کے مقدمے میں محمد ابنِ اسحٰق رضی اللہ عنہ کی سیرت نگاری کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''محمد ابنِ اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جوانی کا زمانہ مدینہ منوّرہ میں بسر کیا اور اس سارے عرصہ میں آپ نے مختلف صحابۂ کرام سے سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حالات وکوائف زبانی اور تحریری جمع کیے۔ دوسری صدی ہجری کے آغاز میں مدینہ پاک کے معمّر اور بزرگ اہلِ علم وفضل سے بھرپور استفادہ کیا، جن میں امام ابن شہاب زہری (متوفیٰ ۱۲۴ھ)، عاصم بن عمر بن قتادہ (متوفیٰ ۱۲۹ھ) اور عبداللہ بن ابی بکر بن محمد مدنی (متوفیٰ ۱۳۰ یا ۱۳۵ھ) جیسے

بلند پایہ اہلِ علم تھے۔حضور ﷺ کے غزوات کی تفصیل اپنی کتاب مغازی میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایات سے جن کے مولیٰ اور شاگرد یزید بن نعمان (متوفیٰ ۱۳۰ھ) تھے،جمع کی۔اسی طرح عبداللہ بن کعب (متوفیٰ ۹۷ یا ۹۸ھ) کے مغازی سے ایک شخص کی وساطت سے استفادہ کیا تھا۔محمد بن ابی محمد نے آپ کو تفسیرِ قرآن میں رہ نمائی کی۔اور ایک شخص جس کا نام مغیرہ بن ابی لبید تھا، سے عہدِ عتیق کی حکایات جمع کیں۔وہب بن منبہ نے بھی قدیم زمانے کے واقعات کو جمع کرنے میں مدد کی''۔(سیرت رسولِ پاک،مقدمہ،ص:۱۹)

خیال رہے کہ ملک بن ہشام (۲۱۸ھ یا ۲۱۳ھ) نے سیرت ابن اسحاق پر تحقیقی و تدوینی کام کیا اور اس کتاب کے پیچیدہ الفاظ و مباحث کی شرح اور بعض مقامات پر اضافات کیا،جس کی بنا پر اس کتاب کا حسن دوبالا ہو گیا، بعد ازاں یہ کتاب سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہو گئی۔

المختصر یہ ہے کہ یہ تینوں رسول اللہ ﷺ کے احوال و آثار،شمائل و خصائل،سیر و مغازی اور دلائل النبوۃ پر جامع اور وقیع کتابیں ہیں، جو اہم معلومات و مباحث پر مبنی ہیں اور سیرت النّبی ﷺ پر اوّلیت اور مرجع کی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔

سیرت کے حوالے سے ابتدائی اور بنیادی باتیں جان لینے کے بعد اب عصر حاضر کی طرف رخ کرتے ہیں اور جائزہ لیتے ہیں کہ عصرِ حاضر میں اس کی ضرورت و اہمیت اور تقاضے کیا ہیں؟ دعوت و تبلیغ،تحریر و تقریر اور تذکیر و موعظت میں سیرت النّبی ﷺ کے کیا اہم اور بنیادی نکات شامل ہونے چاہئیں اور اس حوالے سے اب تک ہماری ذمہ داریاں اور کوتاہیاں کیا رہی ہیں، یکے بعد دیگرے ہم سب کا مختصراً جائزہ لیں گے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ آج علم سیرت ایک ایسا جامع اور مبسوط علم ہے،جس

کے بہت سے حصے اور گوشے ہیں، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات وسرایا کی تفصیلات، آپ کی زندگی کے مکمل احوال وواقعات اور خاندانی عظمت وشرافت کا مکمل ذکر ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ سیرت کے جملہ پہلوؤں کا عصرِ حاضر کے تناظر میں مطالعہ کیا جائے اور اسے جدید تقاضوں کے مطابق پیش کیا جائے اور اس میں موجودہ تمام مسائل و مشکلات کا تدارک وحل تلاش کیا ئے، کیوں کہ سیرت ہر دور اور ہر زمانے کے لوگوں کے لیے راہ نما اصول اور چراغِ راہِ ہدایت ہے۔

لیکن آج سب سے زیادہ المیہ اس بات کا ہے کہ موجودہ دور کے مسلمان عصر حاضر کے جدید تقاضوں کے مطابق اس کی معنویت کو سمجھنے میں عاجز وناکام رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں سیرت النّبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفہیم ومعنویت کے حوالے سے حد درجہ لاعلمی، کج فہمی اور تنگ نظری پائی جاتی ہے۔ کوئی بھی اس رخ پر سوچنے اور غور وفکر کرنے کی حتی المقدور کوشش نہیں کرتا ہے کہ دورِ جدید کے لحاظ سے سیرت النّبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقاضے کیا ہیں؟ کس طرح سے اپنوں اور غیروں تک بہ آسانی سیرت پر مبنی تعلیمات کو پہنچایا جاسکتا ہے؟ سیرت کے کن پہلوؤں اور گوشوں کو بنیاد بنا کر غیروں میں دعوت وتبلیغ کا کام انجام دیا جاسکتا ہے؟ سیرت کے حوالے سے عوام میں بہت سی غلط فہمیاں عام ہیں، انہیں کس طرح دور کیا جاسکتا ہے؟ سیرت کا ایک اہم پہلو ''غزوات'' کو غلط طریقے سے پیش کیا جاتا ہے اور اسے جہاد کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس سے عالمی سطح پر اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ خراب کی جاتی ہے۔ اب ایسے پروپیگنڈوں کا جامع اور معقول جواب کیسے دیا جاسکتا ہے؟ دورِ حاضر کے اور بھی اس طرح کے اہم اور حساس سوالات ہیں، جو ہمیں بار بار جھنجھوڑتے ہیں۔

آج مخالفین ومعاندینِ اسلام سیرت النّبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس زاویے اور اینگل سے پیش کر رہے ہیں، وہ قابل افسوس اور باعث تشویش ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے

مختلف پہلوؤں کو توڑ مروڑ کر کے پیش کر رہے ہیں، جس سے ان کا مقصد پیغمبرِ اسلام ﷺ کی مقدس و پاکیزہ زندگی کو دنیا والوں کی نظر میں عیب دار بنانا ہے، جس کے لیے وہ ہمہ تن مصروفِ عمل ہیں۔

سب سے زیادہ جو گروہ یا جماعت سیرت کو غلط طریقے سے پیش کر کے نقصان پہنچانے کے درپے ہے، وہ مستشرقین کا گروہ ہے، جس کی اساس و بنیاد ہی اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف رکھی گئی ہے۔ جس کا ہدف و مقصد ہی صاحب سیرت ﷺ کو دنیا میں دہشت گرد اور آپ کی پاکیزہ تعلیمات کو دہشت گردی ثابت کرنا ہے۔ مستشرقین کی جانب سے بین الاقوامی سطح پر مروّجہ زبانوں میں کئی ایک کتابیں اور لٹریچرز لکھے گئے، جن میں نبی کریم ﷺ کی ذات ستودہ صفات اور عالی مرتبت شخصیت کو مجروح ومخدوش کرنے کی جسارت کی گئی۔ ان تحریروں سے اپنوں اور غیروں سبھی میں سیرت کے حوالے سے غلط فہمیاں پیدا کی گئیں۔ غلط عقائد و نظریات اور افکار و خیالات کو عام کیا گیا۔ اور اسی طرح مستشرقین اپنے باطل منصوبوں میں ممکنہ حد تک کامیاب بھی ہو گئے۔ اگر جماعتی سطح پر اس حوالے سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اب تک ہماری ذمہ داریاں بہت ہی افسوس اور تشویش کا باعث رہی ہیں، اس جانب نہ ہمارے مقرّرین نے چنداں توجہ دی اور نہ ہی محرّرین نے اس پر خامہ فرسائی کی ضرورت محسوس کی۔

اب اس حوالے سے ہماری ذمہ داریاں بنتی ہیں کہ ان باطل عقائد و نظریات اور غلط افکار و خیالات کا ٹھوس دلائل و براہین اور مستند و معتبر اسناد و روایات کی روشنی میں بھرپور ازالہ کیا جائے۔ سیرت رسول ﷺ کے ان گوشوں اور پہلوؤں کو بھی واشگاف کیا جائیں، جن میں انسانی اقدار و تحفظات، بین الاقوامی روابط و تعلقات، سماجی و معاشرتی اصلاحات اور اخلاق و کردار کی روشن و تابناک تعلیمات و ہدایات موجود ہیں۔ یہ وہ پہلو ہیں، جو حیاتِ

انسانی کے لیے اسوۂ حسنہ اور راہ نجات کی حیثیت رکھتے ہیں، جن پر عمل پیراں ہو کر بندہ جہاں انسانیت کی معراج و بلندی پر پہنچ سکتا ہے، وہیں انہیں چھوڑ کر زوال وپستی کے گڑھے میں گر سکتا ہے۔ اسی لیے سیرت کے ان پہلوؤں سے انسانوں کو متعارف کرانا بھی وقت کی ایک اہم ترین ضرورت ہے۔

اخیر میں عرض یہ ہے کہ اسکول، کالجیز اور مدارس میں سیرت پر مبنی کمپیٹیشن، سیمنار، کانفرنس اور پروگرامات منعقد کیے جائیں، یقیناً یہ سیرت النّبی ﷺ کی ترویج و اشاعت کے لیے ایک مؤثر اور مستحکم قدم ہوگا، جس سے طلبا و اساتذہ کے اندر اس حوالے سے قدرے بیداری پیدا ہوگی۔ ایسے ہی سیرت پر مشتمل بین الاقوامی زبانوں میں جدید انداز و اسلوب میں مدلل و جامع مقالات و مضامین، لیٹریچرز اور کتب و رسائل تحریر کیے جائیں، جن میں متذکرہ بالا پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھا جائیں اور انہیں اغیار میں تقسیم کیے جائیں۔ اس سے غیروں کے اذہان وقلوب میں سیرت کے حوالے سے پیدہ شدہ غلط فہمیاں اور افکار وخیالات رفع دفع ہوں گے اور ان کے قلوب میں سیرت کی صحیح تفہیم و تاریخ جاں گزیں ہوگی۔ لہٰذا اس جانب خصوصی طور پر اپنی عنانِ توجّہ منعطف کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''سیرت طیّبہ کے چند درخشاں پہلو'' حافظ محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی کے اشہب قلم سے نکلے سیرت النّبی ﷺ پر مشتمل بیش بہا اور جامع مضامین کا ایک دل کش مجموعہ ہے، جس میں موصوف نے سیرت النّبی ﷺ کے مختلف پہلوؤں کو عصر جدید کے اسلوب اور تقاضوں کے مطابق پیش کیا ہے۔ کتاب میں میں شامل موصوف کے مضامین تسلسل و پابندی کے ساتھ ملک و بیرون ملک کے مختلف جرائد ورسائل اور اخبارات میں زینت اِشاعت ہوتے رہے ہیں۔ یہ کتاب قرآن واحادیث اور مستند ومعتمد واقعات وآثار سے مزین ومرصع ہے، جو اپنی نوعیت

وحیثیت اور افادیت کے لحاظ سے بہت ہی علمی، فکری اور جامع ہے، جو واقعی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔اسی طرح تمام مضامین کا اسلوبِ نگارش بھی نہایت ہی عمدہ، مؤثر اور دل نشیں ہے، جن کو پڑھنے کے بعد طبیعت جھوم اٹھتی ہے۔ یقیناً یہ موصوف کی محنت وجاں فشانی اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اپنے وسعتِ مطالعہ اور علمی وقلمی صلاحیت وقابلیت سے سیرت النّبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مختلف پہلوؤں کو ضبطِ تحریر میں لایا، جو اَب قارئین کے ہاتھوں میں کتابی شکل میں موجود ہے۔

اگر موضوع اور عنوانات کے لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو یہ اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے، جس میں واقعی سیرت کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب جہاں ائمہ، علما اور مقررّین کے لیے نفع بخش اور قابلِ مطالعہ ہے، وہیں مدارس، اسکول، کالیجیز اور یونی ورسیٹیز کے اساتذہ وطلبا کے لیے بھی یکساں مفید ہے۔

اس کتاب کے متعلق ایک اہم بات یہ ہے کہ اس میں خاص طور پر جدید املا وانشا اور حوالہ جات کا بہ خوبی خیال رکھا گیا ہے اور اگر اس کے باوجود کہیں پر بھی کوئی کمی یا خامی رہ گئی ہو تو از راہ کرم ہمیں مطلع فرمائیں، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو جائے۔اب آیئے ایک نظر درخشاں نگار پر ڈالتے ہیں۔

درخشاں نگار حافظ محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی صاحب ایک زود نویس قلم کار، وسیع المطالعہ، سنجیدہ فکر وخیال کے مالک، مخلص وملنسار اور بے انتہا علم دوست شخص ہیں۔ ملک و بیرون ملک کے مختلف اخبار ورسائل اور مجلّات میں موصوف کے مضامین تسلسل و پابندی کے ساتھ شائع ہوتے رہتے ہیں۔موصوف کا تحریر وقلم کے ساتھ ساتھ خطابت وامامت سے بھی رشتہ استوار ہے۔اس کے علاوہ دین وسنیت کے تئیں اپنے اندر بے پناہ جذبات واحساسات رکھتے ہیں اور اپنی وسعت وبساط بھر دین وسنیت کی گراں قدر خدمات انجام دیتے ہیں۔

موصوف کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ سیرت پر لکھے گئے ان کے تمام مضامین کو افادۂ عام کے لیے یک جا کر کے ایک کتابی شکل دی جائے، جس کے لیے موصوف نے راقم السطور سے

رابطہ کر کے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا اور کتاب کی ترتیب وتقدیم اور تزئین وکمپوزنگ کا کام سپرد فرمایا، جس کو راقم نے اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود بہ سر وچشم قبول کر لیا اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل یہ کام بہ حسن وخوبی پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس میں موصوف کی بے انتہا محنتیں اور کوششیں شامل حال رہی ہیں، یہاں تک کہ طباعت کا مکمل بارِ گراں بھی خود برداشت کیا۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ موصوف کو دارین کی سعادتوں سے بہرہ مند فرمائے، مزید قلم وقرطاس کے ذریعے دین وسنیت کے فروغ واستحکام کے لیے اور سماج ومعاشرے سے برائیوں کے خاتمے کے لیے خدمات انجام دینے کی توفیق ارزانی عطا فرمائے اور اس کتاب کو مقبولِ خاص وعام بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محسن رضا ضیائی

چیف ایڈیٹر' ماہ نامہ انوارِ ہاشمی، بیجاپور

۲۸؍رجب المرجب ۱۴۳۹

مطابق ۱۶؍اپریل ۲۰۱۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان وعظمت

حمد وثنا اس رب العالمین کے لیے جو سب خوبیوں کا جامع ہے اور سارے جہان کو پالنے والا بہت مہربان رحمت والا ہے، جس نے اس جہان کو اولادِ آدم کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کی ذات اقدس میں تمام ظاہری و باطنی کمالات جمع فرمایا۔ آپ تمام نبیوں میں اعلیٰ و افضل ہیں۔ اسی طرح آپ کی امت تمام امتوں میں افضل و بہتر ہے۔ اسی طرح اللہ رب العزت کی گزشتہ نازل کی ہوئی کتابوں میں جو کچھ تھا وہ سب آپ پر نازل ہوئی کتاب قرآن مجید میں جمع فرمادیا اور تمام گزشتہ کتابوں کی تفصیلات قرآن مجید میں جمع فرما کر آپ پر احسان عظیم فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل کلام الٰہی میں رب تعالیٰ خود آپ کی شان اور خوبیاں بیان فرمارہا ہے:

{يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا (45) وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (46) وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا (47) وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعْ أَذَاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا} [الأحزاب: 45-48]

ترجمہ: اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی)! بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوش خبری دیتا، ڈر سناتا، اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب اور ایمان والوں کو خوش خبری دو کہ ان کے لیے اللہ کا بڑا فضل ہے اور کافروں اور منافقوں کی خوشی نہ کرو اور ان کی ایذا پر درگزر فرماؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ بس ہے کارساز۔

آپ ﷺ تمام جہاں کے لیے نبی اور رسول ہیں۔آپ ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ دنیا کے کسی بھی خطہ، ملک یا سلطنت کے کسی بھی قوم کے دانشور جس نے حسد اور بغض کی عینک لگائے بغیر سیرت رسول ﷺ کا مطالعہ کیا ہو وہ یہ بات کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ وہ واحد ہستی ہیں کہ آپ جیسا نہ کوئی ہوا ہے اور نہ قیامت تک کبھی ہوگا۔قرآن مجید میں رب تبارک وتعالیٰ نے آپ کی شان یوں بیان فرمایا:

{وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ} [الشرح: 4]ترجمہ:اے محبوب ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:{لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ} [البلد: 1]

ترجمہ: مجھے اس (شہر مکہ) کی قسم اے محبوب! تم اس میں تشریف فرما ہو۔

یعنی مکہ معظّمہ کی قسم جو سب سے پرانا شہر ہے، جسے خلیل اللہ علیہ السلام نے بنایا، جس کعبۃ اللہ میں مقام ابرہیم وغیرہ ہیں جہاں ہمیشہ سے حج ہوتا ہے، جہاں ہر شخص کے لیے امن وامان ہے اور جو سید الانبیاء ﷺ کی ولادت گاہ ہے۔

معلوم ہوا کہ حضور کی نسبت سے مکہ معظّمہ کو حرمت وعزت ملی کہ رب تبارک وتعالیٰ نے اس کی قسم ارشاد فرمائی۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم

حضرت مصلح الدین شیخ سعدی شیرازی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

بلغ العلی بکماله کشفت الدجیٰ بجماله

حسنت جمیع خصاله صلو علیه و اٰله

بارگاہ رسول کے شاعر صحابی رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنی عقیدت کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

واحسن منک لم ترقط عینی کو اجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبر اء من کل عیب کانک قد خلقت کماتشاء

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان وعظمت کا ذکر خود رب تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔ پورا قرآن عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔آپ کی وہ ہستی ہے کہ آپ پر درود وسلام اللہ پاک نے خود پیش فرمایا تو آپ کی عظمت و رفعت کون بیان کرسکتا ہے؟ یہ کسی انسان یا جن کے بس کی بات نہیں کہ وہ تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس بیان کر سکے کیوں کہ ہمارا ایمان ہے اگر دنیا بھر کے سمندر کا پانی سیاہی بن جائے اور تمام درختوں کے پتے کاغذ بن جائیں اور ساری مخلوق بھی لکھنا چاہے، سب کچھ ختم ہو جائے گا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل شان بیان نہیں ہوسکتی۔ کیوں کہ اللہ نے خود آپ کی تعریف وتوصیف کی۔آپ کو اس بات پر رسولوں کا گواہ بنایا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی جو کچھ ان کی طرف بھیجا تھا انہوں نے وہ سب اپنی امتوں کو پہنچا دیا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ تمام انبیاو رسول آپ کے متبعین اور خلفا ہیں۔اس سچائی کو قرآن یوں بیان فرماتا ہے:

{ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ} [آل عمران: 81]

ترجمہ: اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا کہ جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کیا کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں اب تمہارے ساتھ گواہ میں ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت انعام الٰہی ہے:

رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت طیبہ اللہ تعالیٰ کا ایسا انعام ہے جس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ یہ ایسا انعام ہے جس کا بارگاہ الٰہی میں شکر ادا کرنا تمام بنی نوع آدم کے ہر فرد پر لازم ہے۔ یہی وہ احسان ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے بڑے خوبصورت اور پر وقار انداز میں بیان فرمایا ہے:

{لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ} [آل عمران: 164]

ترجمہ: بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور

اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت مبارکہ میں آپ ﷺ کی دو ایسی عظیم صفات کا ذکر کیا گیا ہے جو اس وقت کے حالات کے تناظر میں اور آج بھی حضور کی مقدس شخصیت کو امتیازی اور نمایاں مقام عطا کرتی ہے۔(۱)انہیں پاک کرتا ہے۔(۲)انہیں کتاب وحکمت سکھا تا ہے۔شرک وکفر بداخلاقی ، بدکرداری ، انسانیت سوزی، جنسی بے راہ روی اور قتل وخون ریزی جیسی قبیح اور گندی حرکتوں سے معاشرے کو پاک کرانے کے لیے آپ کا ظہور ہوا تا کہ انسان کے اندر انسانی قدروں کی پہچان اور ان کے تحفظ کا سامان مہیا ہو سکے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ} [الإسراء: 70]

ترجمہ: اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی۔

وہ لوگ جو انسانیت کے دشمن تھے، جن کا مشغلہ کٹنا مرنا تھا، وہ اللہ کے رسول ﷺ کی ہدایات وتعلیمات سے انسان کے محافظ بن گیے اور اس طرح کہ زمین ان کے عدل اور پاکیزگی سے مشکبار ہوگئی۔خود رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں: "**بعثت لاتمم مکارم الاخلاق و محاسن الافعال**" میں اسی لیے بھیجا گیا ہوں تا کہ اخلاق کی تعلیم کو مکمل اور افعال کی خوبیوں کو دنیا والوں کے لیے مکمل کردوں۔(ابوداؤد شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں ایمان کے اعتبار سے سب سے کامل شخص وہ ہے جو بہترین اخلاق والا ہے۔(معلوم ہوا کہ جس کے اخلاق اچھے نہیں اس کا ایمان کامل نہیں۔اس سے ایمان میں کمی زیادتی کا ہونا بھی معلوم ہوتا ہے)۔(ابوداؤد، حدیث ۴۶۵۴)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمدہ چال چلن، عمدہ اخلاق اور میانہ روی، نبوت کے پچیس اجزا میں سے ایک ہے(ابوداؤد، حدیث ۴۷۴۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مومن اپنے اعلیٰ اخلاق سے سارے دن کے روزہ دار اور ساری رات کے تہجد گزار کا درجہ حاصل کرلیتا ہے۔(ابوداؤد، حدیث ۴۷۷۰)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق اور عفو و درگذر انسانوں کے لیے رحمت و شفقت ہے، جس کو قرآن کریم میں بھی جابجا بیان کیا گیا ہے۔

قرآن میں میلادِ مصطفیٰ:

جس طرح شان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر قرآنِ پاک میں موجود ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میلاد پاک کا بھی ذکر قرآن میں موجود ہے۔

۱۲ ربیع الاول کو رحمت الٰہی کے پیکر محسن کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہوئے۔آپ کی ولادت پر مسرت وشادمانی کے اظہار کا حکم رب تبارک وتعالیٰ نے دیا:

{قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ}
[یونس: 58]

ترجمہ ''تم فرماؤ کہ اللہ ہی کے فضل اوراسی کی رحمت اوراسی پر چاہیے کہ خوشی کریں۔وہ ان کے سب دھن دولت سے بہتر ہے۔

اس آیت مبارکہ کی تشریح بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت ابوجعفر الباقر، حضرت قتادہ، حضرت مجاہد، حضرت علامہ امام آلوسی بغدادی، امام ابوحیان اندلسی، حضرت امام ابن جوزی، امام طبرانی اور کئی جید مفسرین علمائے کرام نے فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے مراد حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو قرار دیا۔جب کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فضل اور رحمت دونوں حضور کی ذات ہی کو قرار دیا ہے۔مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کا تذکرہ تو خود قرآن مجید بیان کررہا ہے:

{وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ} [الأنبياء: 107]

ترجمہ: ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں کے لیے۔

اس آیت میں ملنے والی نعمت الٰہی فضل اور رحمت پر خوشی منانے کا خصوصی حکم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود اپنا میلاد مناتے تھے اور سال بہ سال یا ماہ بہ ماہ نہیں بلکہ ہر ہفتہ مناتے تھے۔ ہر دوشنبہ کو آپ روزہ رکھتے تھے، پوچھا گیا کہ یہ کیسا روزہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: میں اسی دن پیدا ہوا تھا۔

ترمذی شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر اور جمعرات کے روزے کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ (ترمذی، باب ماجاء فی صوم یوم الاثنین والخمیس، جلد اول ص ۱۵۷)

مسلم شریف میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کیسا روزہ ہے؟ یعنی پیر کے روزہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ: یہ وہ دن ہے جس میں میں پیدا ہوا اور میری بعثت ہوئی یا مجھ پر قرآن نازل ہوا (مسلم۔ جلد اول، باب استحباب صیام الاثنین والخمیس ۲۶۸)

شارح بخاری علامہ قسطلانی مواہب اللدنیہ میں لکھتے ہیں: ہر دور میں اہل اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے ماہ میں محفلیں کرتے، کھانا کھلاتے، ان کی راتوں میں صدقے کرتے اور خوشیوں کا مظاہرہ کرتے اور نیک کاموں میں اضافہ کرتے، آپ کی ولادت کے احوال پڑھتے اور اس کی برکات ان پر نازل ہوتیں۔ (ملخصاً المواہب اللدنیہ جلد اول صفحہ ۱۴۸)

عشق رسول اور ہماری ذمہ داریاں:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان وعظمت انسان کیا بیان کرے جب رب تبارک وتعالیٰ نے شان

بیان فرمائی۔عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضور کی ولادت کے موقع پر میلاد کی محفل منعقد کرنا اور مٹھائیاں بانٹنا وغیرہ محبت وعقیدت کے بہت سے طریقے ہیں، ان کو اپنایا جائے۔اصل اور سچی محبت تو یہ ہے کہ سچا پکا مسلمان بنیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و پیروی اور فرمابرداری کریں ۔نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ جو فرائض، واجبات وسنن اور نوافل ہیں، ان سب کی حتی الامکان پابندی کریں۔رشتہ داروں، حاجت مندوں اور غریبوں کی حاجت روائی کریں۔دوسروں کی خبر گیری کریں، فائدہ پہنچائیں وغیرہ وغیرہ۔تبھی ہم صحیح معنوں میں عاشق رسول کہلائیں گے اور اللہ ورسول کی خوشنودی بھی حاصل ہوگی۔یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہونے کا حق ہوگا ۔

رسولِ اعظم ﷺ کی شان میں ادنیٰ سی بھی گستاخی کفر ہے

اللہ رب العزت کے لیے تمام حمد وثنا جو سب خوبیوں کا مالک ہے اور سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ رب العالمین نے ہر زمانے میں بنی نوع انساں کی ہدایت کے لیے پیغمبرانِ عظام کو مبعوث فرمایا۔ اپنے پیارے محبوب ﷺ کو رؤف ورحیم بنا کر بھیجا اور آپ کی شان ورفعت کا اعلان خود اپنے کلام قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

{وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ} [الشرح: 4] اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

تمام انبیائے کرام آپ پر ایمان لائے اور آپ کی عزت وتکریم کی اور آپ کی خدمت کا عہد لیا، سب کا ذکر فقط فرش پر ہی ہے مگر مصطفیٰ کا ذکر فرش وعرش جنت میں ہے اور اپنے نام کے ساتھ اپنے محبوب کا نام رکھا، تمام انبیا کو نام سے پکارا، آپ کو اچھے اچھے القاب سے پکارا اور فرمایا تمہارا ذکر ہمیشہ بلند رہے گا اسے کوئی بند نہیں کر سکتا، جیسے کوئی چاند سورج کو نہیں بجھا سکتا کہ یہ اللہ کے روشن کیے ہوئے ہیں، ایسے ہی تمہیں کوئی نیچا نہیں دکھا سکتا۔ کبھی کسی بدبخت نے اگر حضور کی شان میں گستاخی کی تو خود رب تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں آیت مبارکہ نازل فرما کر حضور کی جانب سے خود جواب دیا۔ قرآن میں بہت سی آیتیں اس پر شاہد ہیں۔ حضور کا دشمن ولید بن مغیرہ نے آپ ﷺ کو مجنوں (پاگل) کہا معاذ اللہ ثم معاذ اللہ! رب ذو الجلال نے فوراً قرآن میں اس کی مذمت فرمائی اور اس کے دس عیوب شمار کیے۔

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخوں کی برائی کرنا سنت الٰہی ہے:

{ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ (1) مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ()}
[القلم: 1،2]

ترجمہ: قلم کی قسم اوران کے لکھے کی قسم تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

پھر ارشاد فرمایا: {يس (1) وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ (2) إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ}
[یس: 1-3]

ترجمہ: حکمت والے قرآن کی قسم ہے بیشک تم رسولوں میں سے ہو۔

یہ ہے شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، جس کا اعلان خود رب تبارک وتعالیٰ فرما رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ مصطفیٰ کی شان میں گستاخی کرنے والے کی برائیاں گنوار ہا ہے، عیب ظاہر فرما رہا ہے، آپ کا گستاخ بڑا جھوٹ بولنے والا ہے، بہت جھوٹی قسمیں کھانے والا ہے، بہت ذلیل ہے، بہت طعنے دینے والا ہے، بہت ادھر کی بات ادھر لگاتا (چغل خور) پھرنے والا ہے، بھلائی سے بڑا روکنے والا ہے، درشت خو ہے، تندمزاج والا ہے، کرخت آواز والا ہے اور حد سے بڑھنے والا ہے، اوراس سے بڑھ کر یہ کہ {**عُتُلٍّ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٍ**} [**القلم: 13**]۔ ترجمہ: اس کی اصل میں خطا ہے (یعنی وہ حرامی ہے)۔ رب تبارک وتعالی ستار العیوب ہے، لیکن جو اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے اس کے عیب کو اللہ ظاہر فرماتا اور اعلان فرماتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخوں کو جواب دینا ان کے عیبوں کو ظاہر کرنا سنت الٰہی ہے۔ اسی آیت کے نزول پر ولید بن مغیرہ اپنی ماں کے پاس گیا اور بولا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے دس عیوب کو بیان کیے ہیں، جو ان پر نازل ہونے والی کتاب میں ان کے رب نے بیان کیا ہے، جن کو میں جانتا ہوں اور اپنے اندر پاتا ہوں، سچ سچ بتا کہ کیا میں اصل سے ہوں یا حرامی، سچ کہنا ورنہ میں تیری گردن ماردوں گا۔ تب اس کی ماں بولی کہ ”تیرا باپ نامرد تھا مجھے اندیشہ ہوا کہ اس کے بعد

اس کا مال غیر لے جائیں گے تب میں نے فلاں چرواہے کو بلایا تو اس سے تو پیدا ہوا ''۔(روح البیان،ضیاء القرآن خزائن العرفان ص ۹۷۷)

گستاخان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عبرتناک انجام:

یہ صحیح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمال عفو درگزر فرمانے والے تھے۔حدیث شریف میں ہے : ما انتقم لنفسہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کے تعلق سے کسی سے انتقام نہ لیا، ہاں اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کرنے کے سبب سزا دی،حضور کی شان اقدس میں انتہائی ذلیل گستاخی کرنے والے بعض کافر و مرتد کو مثلاً عقبہ بن معیط ،کعب ابن اشرف ، اور عبد اللہ بن خطل کو قتل کا حکم دیا یہود و نصاریٰ شروع دن ہی سے شان اقدس میں نازیبا کلمات کہتے چلے آرہے تھے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان نبوت میں گستاخی کرنے والے بعض مردوں اور عورتوں کو بعض مواقع پر قتل کروایا، کبھی صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دے کر اور کبھی انہیں پوری تیاری کے ساتھ روانہ کر کے، کبھی کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے گستاخ رسول کے جگر کو چیر دیا اور کبھی کسی صحابی نے نذر مان لی کہ گستاخ رسول کو ضرور قتل کروں گا۔

اس تعلق سے دلچسپ واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

عصما نامی یہودیہ خبیثہ نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا تو ۲۵ رمضان ۲ھ میں ایک نابینا صحابی حضرت عمر بن عدی رضی اللہ عنہ نے اس کو کیفر کردار تک پہنچا کر اپنی نذر پوری فرمائی۔ان کے کارنامے کو دیکھ کر تاجدار عدالت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رشک کرتے ہوئے فرمایا: انظر الیٰ ھذا الاعمیٰ تسرق فی طاعۃ اللہ، ذرہ اس نابینا کو دیکھو کیسے چپکے سے اللہ کی اطاعت کر گزرا،حضور تشریف فرما تھے آپ نے فرمایا: اے عمر! اس کو اندھا مت کہو اس کے دل کی آنکھ بہت تیز ہے(ابوداؤد)

کبھی کسی نے تمام رشتہ داروں کو ایک طرف بالائے طاق رکھتے ہوئے حضور کے گستاخ کا سر قلم کر کے آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا۔جو گستاخ مسلمانوں کی تلواروں سے بچے رہے اللہ تعالیٰ نے ان کو سخت عذاب میں مبتلا فرمایا اور وہ انتہائی ذلت و رسوائی کا شکار ہوئے۔

ابولہب کا بدترین انجام ہوا، لاش سڑ گئی تعفن پھیل گیا، لکڑی اور پتھروں کے سہارے گڑھے میں دھکیل دیا گیا۔ اس کی بیوی کا بھی انتہائی برا انجام ہوا۔ قرآن واحادیث اور سیرت وتاریخ میں یہ ذکر صراحت کے ساتھ موجود ہے یہاں تک کہ گستاخ رسول کو قبر نے اپنے اندر جگہ نہ دی۔ **فَاعْتَبِرُوْ یَا اولی االابصار**۔ اے صاحب نظر عبرت حاصل کرو ۔ (سورہ حشر ۵۹ آیت ۲)

گستاخ رسول کا انجام کیا ہے؟ اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ دریائے نیل نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گستاخوں کو ہلاک کر کے فوراً لاشوں کو باہر پھینک دیا، تفسیروں میں اس کا ذکر بھی موجود ہے۔

کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا حکم:

کعب بن اشرف رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدترین دشمن تھا، آپ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا یہودی عالم تھا، کفارِ قریش کو جنگ کے لیے بھڑکاتا رہتا تھا صحابۂ کرام کی عزت مآب بیویوں کا نام لے کر اپنے اشعار میں فرضی عشق ومحبت کے افسانے لوگوں کو سناتا، اسے بار بار منع کیا گیا لیکن اس نے ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ جب صبر کا پیمانہ چھلک گیا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ومن لنا بابن الاشرف ہمیں اشرف کے بیٹے کعب کے شر سے کون بچائے گا؟ اس نے ہماری دشمنی کی انتہا کر دی ہماری اعلانیہ ہجو کرتا ہے مکہ جا کر اس نے کفار قریش کو غلاف کعبہ کے قریب جمع کیا ہے اور ان سے وعدہ لیا ہے کہ وہ ہم پر چڑھائی کریں گے اور وہ ان کا مددگار اور حلیف ہوگا۔ پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیات پڑھی:

{أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَى مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا} [النساء: 51]

ترجمہ: کیا تم نے وہ نہ دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا ایمان لاتے ہیں بت اور شیطان پر اور کافروں کو کہتے یہ مسلمانوں سے زیادہ راہ پر ہیں، یہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جسے خدا لعنت کرے تو ہرگز اس کا کوئی یار نہ ہوگا۔

کعب بن اشرف نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی اور اسلامی معاشرے کے خلاف ظلم وستم کی انتہا کی۔ چناں چہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثار فدائیوں کو خطاب کرتے ہوفرمایا: کعب کو قتل کرنے کے لیے کون اپنے آپ کو پیش کرنا چاہتا ہے؟ حضرت محمد بن مسلمہ اوسی کھڑے ہوئے عرض کی: **انا اتکفل لک به یا رسول اللّٰه!** اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس خبیث کو موت کے گھاٹ اتارنے کی ذمے داری میں قبول کرتا ہوں۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی اقدام کرنے سے پہلے سعد بن معاذ سے ضرور مشورہ کر لینا۔ اس کے بعد محمد بن مسلمہ حضرت ابونائلہ، عباد بن بشیر، حارث بن عوث اور ابوعبس بن جبر کے پاس گیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو وعدہ کیا تھا اس سے ان سب کو آگاہ کیا، سب نے کہا ہم آپ کے ساتھ چلیں گے اور اس بدبخت کا خاتمہ کردیں گے (محمد بن مسلمہ کعب کے رضاعی بھائی کے بیٹے تھے) ابونائلہ محمد بن مسلمہ اور ان کے ساتھ ان کے تین ساتھی بھی تھے، ان کا تعلق اوس قبیلہ سے تھا۔ یہ جاں باز اس خطرناک مہم کو سر کرنے کے لیے جب جانے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الوداع کہنے کے لیے جنت البقیع تک تشریف لائے، وہاں انہیں اللہ کے حوالے کیا اور اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا، وہاں جا کر کعب بن اشرف کو پکڑا ،ابونائلہ نے اپنا ہاتھ اس کے سر کے بالوں میں ڈالا اور مضبوطی سے پکڑ لیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا۔ اضر بوا عدو اللہ'' اللہ کے دشمن کو پرزے پرزے کرو'' یہ بچ کر جانے نہ پائے، سب نے یک بارگی اپنی تلوار سے اس پر حملہ کر دیا۔ اس نے بڑی خوفناک چیخ ماری جو اس کی بیوی نے سن لی۔ اس نے چلا کر کہا اے قریظہ! اے نضیر کے لوگو! مدد کو پہنچو،

اسلام کے فدائیوں نے اس موذی کا سرتن سے جدا کر دیا اور ایک توبرے میں ڈال لیا۔(توبرے وہ تھیلا جس میں گھوڑے کو کھانا کھلاتے ہیں)۔ اتنے میں یہودی ہر طرف سے اکھٹے ہوگیے۔ ان صحابہ کرام نے عام راستہ چھوڑ کر غیر معروف راستہ اختیار کرلیا اور جب بقیع کے پاس پہنچے تو انہوں نے فلک شگاف نعرہ بلند کیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس رات کو کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے ان کی تکبیر کی آواز سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نعرہ بلند کیا ۔حضور نے جان لیا کہ یہ لوگ اس بدبخت دشمن اسلام کو قتل کر کے آئے ہیں، پھر وہ حضور کے قدموں میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ حضور نے فرمایا: ''وافلحت الوجوہ'' (خدا ان مجاہدوں کو سرخرو کرے)

پھر انہوں نے کعب کا سر توبرے سے نکال کر حضور کے قدموں میں ڈال دیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کامیابی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ (سیرت ابن کثیر جلد ۳ ص ۹،۱۰۔ سیرت رسول ضیاء النبی، جلد ۳ ص ۴۴۸، ۴۴۷)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا بہت برا انجام ہوا، اپنی دنیا و آخرت تباہ کر بیٹھے، رسوائی آنے والی صبح قیامت تک کے لیے مقدر بن گئی۔ بہت سے واقعات قرآن واحادیث اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا﴾ [الأحزاب: 57]

ترجمہ: بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، ان پر لعنت ہے دنیا میں اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اللہ کو ایذا دینا یہ ہے کی اس کی ایسی صفات بیان کرے جس سے وہ پاک اور منزہ ہے،

یا اس کے محبوب بندوں کو ستائے، حضور کو ایذا دینا یہ ہے کہ حضور کے فعل کو ہلکا جانے، ہلکی نگاہ سے دیکھے یا کسی قسم کا لعن طعن کرے یا آپ کے ذکر خیر کو روکے، آپ کو عیب لگائے ایسے لوگ دنیا و آخرت میں لعنت کے مستحق ہیں۔ (خزائن العرفان، نور العرفان ص ۶۹۹)۔

گستاخ رسول ابو جہل، ولید بن مغیرہ اور ابولہب وغیرہ سے لے کر اب تک جتنے بھی گستاخِ رسول گزرے ہیں انہیں وقت کے مجاہدوں نے کیفر کردار تک پہنچا کر جہنم رسید کیا ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت انسان کیا جانوروں کے اندر بھی رکھی ہے، جانوروں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کا ثبوت پیش کیا ہے، جس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کی مسلمان کہیں بھی ہو کسی زبان و علاقے کا ہو، کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو، شرابی ہو، جواری ہو، زانی ہو مگر جہاں حضور کی شان میں کسی گستاخ نے اپنی بدزبانی کی اس گنہ گار مسلمان کو ہر گز یہ برداشت نہیں کہ کوئی اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں کچھ کہے۔ جیسا کہ اس طرح کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شرابی میخانہ میں شراب پی رہا تھا۔ بغل کے ٹیبل سے کسی نے حضور کی شان میں گستاخی کی اور بے ہودہ جملے اور گالیاں دیں مسلمان شرابی کے کان میں جیسے ہی وہ کلمات پڑے اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ شراب کی بوتل اس گالیاں بکنے والے کے سر پر دے مارا اور اس کا قتل کر دیا اور کہا کہ ہم آج سے اس شراب خانہ میں نہیں آئیں گے جہاں ہمارے حضور کو گالیاں دی جاتی ہیں۔

گستاخان رسول کو جہنم رسید کرنے والے کچھ شہدا اور غازیانِ اسلام:

گستاخِ رسول ''ابی بن خلف'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھوں ۳ رہجری میں قتل ہوا۔
گستاخ رسول ''بشر'' نام کے منافق کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۳ رہجری میں قتل کیا۔ چناں چہ قرآن کریم میں مذکور ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا﴾ [النساء: 61]

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کی اتاری کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں۔

بشر نام کے ایک منافق کا ایک یہودی سے جھگڑا تھا یہودی نے کہا چلو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چل کر فیصلہ کرائیں، بے ادب گستاخ منافق (جو دیکھاوے کے لیے کلمہ پڑھتا تھا) بشر بولا کعب ابن اشرف جو یہودی عالم تھا اس کے پاس چلو (اس کے قتل کا ذکر اوپر گذر چکا ہے جسے حضور نے وفد بھیج کر قتل کروایا، اس کے قتل پر خوش ہوئے اور سجدۂ شکر ادا فرمایا) یہودی نے کعب ابن اشرف کو فیصل ماننے سے انکار کر دیا اور کہا وہ رشوت لے کر فیصلہ کرتا ہے، میں اسے منصف نہیں مانوں گا۔ مقدمہ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش ہوا، حضور نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا، بشر نامی منافق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا پھر یہ دونوں مقدمہ لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، یہودی نے کہا کہ بارگاہ نبوی میں میرے حق میں فیصلہ ہو چکا ہے مگر بشر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہیں ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا اور کہا کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا تو اس کا فیصلہ یہی ہے۔ اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ (تفسیر ضیاء القرآن، تفسیر نور العرفان ص ۱۳۸)

مشہور گستاخ رسول ابوجہل کو دو ننھے مجاہدوں (معاذ و معوذ حضرات) نے قتل کیا۔ گستاخ رسول امیہ بن خلف حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ۲ ہجری میں قتل ہوا۔ گستاخ رسول نصر بن حارث حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ۲ ہجری میں قتل ہوا۔ انتہائی بدترین گستاخ رسول ایک سو بیس سال کا خرانٹ بوڑھا ابو عفک نامی یہودی کو ماہ شوال ۲ھ میں حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اس کا سر قلم کرنے کی سعادت حاصل کی اسی طرح غزوہ

بدر سے واپسی کے وقت ماہ رمضان المبارک ۲ھ میں دربار رسالت کا مجرم جو حضور کو چڑھاتا تھا (معاذ اللہ) نصر بن حارث کو شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے جہنم رسید کیا۔ حضور کی بارگاہ میں اس کی اطلاع دی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ گستاخ رسول ابورافع حضرت عبداللہ کے ہاتھوں ۳ھ میں قتل ہوا۔ گستاخ رسول حارث بن طلال حضرت علی کے ہاتھوں ۲ھ میں قتل ہوا۔ گستاخ رسول بن ابی معیط حضرت علی کے ہاتھوں ۸ھ ہجری میں قتل ہوا۔ ۔ گستاخ رسول قریبہ (گستاخ باندی) فتح مکہ کے موقع پر قتل ہوئی۔ گستاخ رسول ریچی فالڈ (عیسائی گورنر) مشہور مجاہد و غازی اسلام حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ غلاف کعبہ سے لپٹے ہوئے توہین رسالت کے مرتکب کو قتل کرنے کا حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے، کسی نے حضور سے عرض کیا: (آپ کی شان میں توہین کرنے والا) ابن خطل کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے قتل کردو (صحیح بخاری، باب دخول الحرم و باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الرایہ یوم الفتح، الصارم المسلول علی شاتم الرسول)

عبداللہ بن خطل مرتد تھا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں شعر کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں توہین کرتا تھا۔ اس نے دو گانے والی لونڈیاں اس لیے رکھی ہوئی تھیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں اشعار گایا کریں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا تو اسے غلاف کعبہ سے باہر نکال کر باندھا گیا اور مسجد حرام میں مقام ابراہیم اور زم زم کنویں کے درمیان اس کی گردن اڑادی گئی۔ (فتح الباری، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الرایہ یوم الفتح)

اس دن ایک ساعت کے لیے حرم مکہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حلال قرار دیا گیا تھا۔ بیت اللہ سے صرف چند قدم کے فاصلے پر اس کا قتل کیا جانا اس بات کی دلیل ہے

کہ گستاخ رسول باقی مرتدین سے بدر جہا بدتر ہے۔ پوری انسانیت کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مسلمان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ ہے ۵۷۷ ر ہجری میں ۲ رنصرانی گستاخ رسول سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں مدینہ شریف میں قتل کیے گیے جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرانور تک سرنگ کھود کر قبر مبارک کو نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتے تھے، جس کی خبر آقاے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں سلطان نورالدین زنگی کو دی۔ ۲۰ رمارچ ۲۰۰۶ کو جرمنی کے شہر برلن میں گستاخانہ کارٹون (Cartoon) شائع کرنے والے ڈائی ویلٹ اخبار کے چیف ایڈیٹر کو عامر شہید نے خنجر سے پے در پے وار کر کے واصل جہنم کیا۔ ۴ رجنوری ۲۰۱۱ کو گستاخ رسول سلمان تاثیر گورنر آف پنجاب کو غازی محمد ممتاز قادری نے ۲۷ رگولیاں داغ دیں اور واصل جہنم کیا ۔۹ رجنوری ۲۰۱۲ فرانس میں چارلی ہیبڈو کے گستاخانہ کارٹون (Cartoon) بنانے والوں کو چی برادران، المیڈ کال بیل اور حیات باؤمیڈیسنی نے جہنم رسید کیا۔ ایسے لوگوں کی ایک لمبی فہرست ہے۔

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان کی جان ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت جان ایمان ہے، بل کہ آپ کی محبت سب پر مقدم ہے۔ سارے اہل جہاں سے زیادہ آپ کی محبت ضروری ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا ہے جب تک میں اسے اپنے بیٹے، باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں (بخاری، مسلم ،کتاب الایمان کے بیان میں حدیث ۱۵)

یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنا ہی عین ایمان ہے۔ سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص ہر حال میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا ولی نہ جانے اور اپنے نفس (جان) کو اپنی

مِلک میں سمجھے وہ سنت کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔(فضائل اعمال، حکایت صحابیہ، ہندی ۲۵۷۔اردو ۱۷۲)

تمام پیغمبروں کو رب تبارک وتعالیٰ نے معصوم پیدا فرمایا۔ عصمتِ انبیا کا تقاضا یہ ہے کہ ان خدارسیدہ ہستیوں سے کوئی بات بھی ایسی منسوب نہ کرے جو گستاخی پر مبنی ہو۔ آپ ﷺ سے جانور بھی محبت کرتے، سلام پیش کرتے اور اپنے مالکوں کے ظلم کی باتیں بتاتے ہیں۔ آپ ﷺ کے گستاخوں کو جانوروں نے بھی مار کر جہنم رسید کیا۔ غزوۂ احد میں رخ انور کو زخمی کرنے والا بدبخت عبداللہ بن قیمہ پر اللہ تعالیٰ نے ایک پہاڑی بکرا مسلط کر دیا، جس نے اسے دوڑا دوڑا کر سینگ مار مار کر لہولہان کر کے اسے گرا دیا اور اس کے پرخچے اڑا دیے، جب تک وہ مرا نہیں سینگ مارتے رہا۔ اس بد بخت کے مرنے کے بعد بکرے نے زوردار آواز نکالی۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ: اس نے خوشی کا اظہار کیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جانور بھی سمجھتے ہیں کہ گستاخ رسول واجب القتل ہے۔ ابولہب کا بیٹا عتبہ یعنی بدنصیب باپ کا بد نصیب بیٹا نے حضور ﷺ کے معصوم چہرۂ انور پر تھوکا تو زبان نبوت سے ایک آہ نکلی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''اللّٰھم سلط علیہ کلبا من کلابک''۔ ترجمہ: یا اللہ اس پر اپنا کوئی درندہ مسلط کر دے۔ چناں چہ مجرم خود ہی مقتل میں حاضر ہو گیا اور ملک شام کے سفر میں مقام ''زرقا'' پر ایک جنگلی شیر نے قافلے والوں کا منہ سونگھتے سونگھتے اس کے منہ کو سونگھتے ہی زوردار دہاڑ ماری اور اس کو چیر پھاڑ کر ٹکرے ٹکرے کر دیا اور دوبارہ دہاڑ مار کر چلا گیا۔ اسی لیے حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اپنے مولیٰ کی ہے بس شان عظیم، جانور بھی کریں جن کی تعظیم
سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم، پیڑ سجدے میں گرا کرتے ہیں

ابھی چند سال پہلے ڈنمارک کا گستاخ سب ایڈیٹر اپنے گھر میں آرام کی نیند سو رہا

تھا کہ اچانک گھر میں آگ لگی اور وہ جل کر جہنم رسید ہو گیا۔ چند ماہ ہی گزرے ہیں پیرس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی گئی اور وہ معاملہ میڈیا میں چھایا ہوا تھا کہ غلام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں اسی کے دفتر میں تمام گستاخوں کو گولیوں سے بھون ڈالا اور دنیا کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ:

ہم نے ہر دور میں ناموس رسالت کے لیے
وقت کی تیز ہواؤں سے بغاوت کی ہے

تمام علما، فقہا، صلحا اور امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ گستاخ رسول ملعون مرتد و کائنات کا بدترین غلیظ کافر ہے۔ اور ساتھ ہی اسلامی عدالت ایسے بدبختوں کے لیے سزائے موت سناتی ہے اور تختہ دار پر لٹکانے کا حکم دیتی ہے۔ "**اجمع العلماء ان شاتم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافر و حکمه عند الائمه القتل من شک فی کفره و عذابه فقد کفر**"۔ اور یہ آج سے نہیں بل کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے ہی چلا آ رہا ہے۔ چناں چہ حضرت سلمہ بن الاکوع سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مشرکوں کا ایک جاسوس آیا، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں تھے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب میں بیٹھا اور پھر چپکے سے چلا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کو ڈھونڈو اور مار ڈالو۔ حضرت سلمہ بن الاکوع کہتے ہیں کہ سب سے پہلے میں نے اس کو پایا اور مار ڈالا اور قتل کے بعد اس کا مال و اسباب لے لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور نفل (نہ کی بطور حق) وہ سامان مجھ ہی کو عنایت فرمادیا (سنن ابوداؤد ۔ جہاد کا بیان، حدیث ۲۶۴۷)

اسی لیے عروہ بن مسعود جب جاسوسی کرنے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد صحابہ کا عشق دیکھ کر کہا میں نے آج تک کسی کو اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے

ساتھ ان کے ماننے والے کرتے ہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا؛ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنے اہل وعیال سب سے آپ زیادہ محبوب ہیں۔ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد آتی ہے تو صبر نہیں ہوتا، جب تک یہاں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ نہیں لیتا۔ اب غم یہ ہے کہ وفات کے بعد آپ تو انبیا علیہم السلام کے ساتھ ہوں گے، وہاں میں آپ کو کیسے دیکھا کروں گا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

{وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا} [النساء: 69]

ترجمہ: جو لوگ اللہ ورسول کا کہنا مانتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے، جن پر خدا کا انعام ہے۔ یعنی نبی، صدیق، شہید اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی صحبت بڑی غنیمت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلا کر یہ آیت بتا دی۔

یقیناً نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گستاخ کہیں بھی پناہ نہیں پائے گا اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والا اللہ کی بارگاہ میں ہمیشہ سرخرو رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سرکار دوعالم کی عظمت کما حقہ جاننے کی توفیق عطا فرمائے اور بے ادبی و گستاخی سے بچائے۔ آمین ثم آمین

شانِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک مکمل شریعت دے کر مبعوث فرمایا، جس میں نہ کسی تبدیلی کی ضرورت باقی رہی نہ کمی کی کوئی گنجائش رہی۔ گزشتہ انبیا کسی خاص قوم یا علاقے کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانیت کے لیے مبعوث ہوئے اور ہر علاقے، ہر قوم اور ہر رنگ و نسل کے لوگوں کے لیے رسول بن کر تشریف لائے۔ گزشتہ انبیاے کرام کسی قوم، کسی علاقے اور مخصوص وقت کے لیے آئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے عالم کے لیے رسول بن کر تشریف لائے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{إِنَّآ أَرۡسَلۡنَٰكَ بِٱلۡحَقِّ بَشِيرٗا وَنَذِيرٗاۚ وَإِن مِّنۡ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٞ}

[فاطر: 24]

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوشخبری سنانے اور ڈرانے والا بنا کر۔ اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔

نبوت کا سلسلہ کسی ملک، علاقہ یا قوم کے ساتھ مخصوص نہیں، جہاں بھی انسانوں کا گروہ آباد تھا، وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ڈرانے والا ان کے پاس ضرور آیا۔ لیکن حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد سلسلۂ نبوت ہی ختم ہو گیا۔ اب ہر قوم، ہر زمانہ میں حضور سید الانبیاء و خاتم الرسل کی ذاتِ پاک ہی منبع ہدایت اور اسوۂ حسنہ ہے۔ (اب تبلیغ کا فریضہ حضور کی امت کے اولیا و علما انجام دیں گے) حضور کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا کذّاب اور دجال ہے۔ جس طرح احادیث صحیحہ میں مذکور ہے۔ اسی طرح آیات مقدسہ میں بھی واضح ہے

۔ چناں چہ فرمایا گیا:

{قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا} [الأعراف: 158]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ارشاد خداوندی کے مطابق بنی نوع انسان کے لیے قیامت تک کے رسول ہیں تو پھر مزید رسول کی گنجائش نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے ہر قوم میں رسول بھیجا۔

اسی طرح اور ایک مقام پر فرمایا گیا:

{وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ} [آل عمران: 144]

ترجمہ: اور محمد تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور رسول ہو چکے۔

شانِ ختم نبوت کا اعلان قرآن میں:

{ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا} [الأحزاب: 40]

ترجمہ: محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ہزار نام ہیں جن میں محمد اور احمد ذاتی نام ہیں، باقی صفاتی نام ہیں ۔(روح البیان/نور العرفان صفحہ ۶۷۵)

ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کے ان بنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے، جن پر امت کا اجماع رہا ہے۔ حضور آخری نبی ہیں ۔جس نے آخری نبی نہ مانا اس نے اللہ کے ارشاد کی تکذیب کی اور جو اللہ تعالیٰ کے کسی ارشاد کو جھٹلایا وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔ اس کے علاوہ بھی متعدد آیات میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ہر وہ آدمی جسے عقل وشعور کی دولت سے اللہ پاک نے نوازا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ ختمِ نبوت کا بہ خوبی اندازہ

کر لیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصفِ خاتم نبوت کو قرآن نے صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ احادیث کریمہ میں اس وصف کے ذکر کے بعد حضور کی ختمیت کو ایک عقیدے کی حیثیت حاصل ہے، جس کے متعلق فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں ادنیٰ شک بھی انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کے لیے کافی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابو ہریرہ ص سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے انبیا کی مثال ایک محل سی ہے، جسے عمدگی کے ساتھ تعمیر کیا گیا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ دیکھنے والے آتے تھے اور مکان کی عمدگی کو دیکھ کر اس خالی جگہ پر تعجب ظاہر کرتے تھے۔ اب میں نے آکر اس خالی جگہ کو بھر دیا ہے اور میرے بعد رسولوں کی آمد کا اختتام ہو گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ میں آخری اینٹ ہوں اور میں ہی خاتم النبین ہوں (بخاری، مسلم)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے دوسری روایت یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے دوسرے نبیوں کے مقابل چھ فضیلتیں عطا ہوئی ہیں۔ (ا) مجھے جوامع الکلم دیے گیے (یعنی الفاظ مختصر اور معانی کا بحر بے کنار) (۲) رطب سے میری مدد کی گئی (۳) میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال کیا گیا (۴) پوری زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ بنا دیا گیا اور اس سے تیمم کی اجازت دی گئی (۵) مجھے تمام مخلوق کے لیے مبعوث کیا گیا (۶) اور مجھ پر نبیوں کی آمد کا اختتام ہوا۔ (کتاب المناقب باب خاتم النبین، مسلم شریف، ترمذی، ابن ماجہ)

امام احمد، ترمذی اور حاکم نے بسند صحیح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رسالت و نبوت کا خاتمہ ہو چکا ہے، اب میرے بعد نہ تو کوئی نبی ہے نہ رسول۔ حضرت ابو امامہ امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے حجۃ الوداع کے خطبے میں ارشاد فرمایا: اے لوگو! آگاہ رہو کہ میرے بعد نہ تو کوئی نبی نہ اب کوئی امت ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے متعدد نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں جس کے ذریعہ کفر کو مٹنا ہے۔ میں حاشر ہوں، لوگ قیامت میں میرے بعد اٹھائے جائیں گے اور میں ہی عاقب ہوں۔ عاقب اسے کہتے ہیں جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد تیس (۳۰) جھوٹے نبی پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے حالاں کہ میں خاتم النبیین ہوں۔ (ابوداؤد کتاب الفتن)

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ بہت سے جھوٹے (نبی) پیدا ہوں گے۔ ان تمام روایات سے بخوبی ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین نہ ماننا قرآن و حدیث کا انکار ہے، جو انسان کو اسلام سے خارج کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس سلسلے میں یہ روایت بھی بڑی واضح ہے کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق ص کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر نبی ہوتے۔ (امام بخاری اور امام مسلم نے فضائل صحابہ کے عنوان کے نیچے یہ ارشاد نبوی نقل کیا ہے۔ تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۴، صفحہ ۷۱۔ ۷۳)

اسی طرح سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق ارشاد نبوی ہے کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ان روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ آیت خاتم النبیین کا مفہوم و معنی آخری نبی ہے، جسے تقریباً تمام مفسرین نے نقل کیا ہے اور اسی سے یہ بھی واضح ہے کہ اس کے علاوہ کوئی مفہوم و معنی ہو ہی نہیں سکتا۔ کوئی دوسرا مفہوم کھینچ تان کر نکالا جائے تو یہ اس کے باطل ہونے کی نشانی ہے اور اس کو زندقہ (کفر و بے

دینی) کہتے ہیں جو بدترین کفر ہے۔

حضور خاتم الانبیاء ﷺ کے بارے میں یہ بات بھی ذہن نشیں رہنا ضروری ہے کہ حضور ﷺ کا خاتم النبین ہونا بھی تمام عالمِ انسانیت کے لیے رحمت ہے، جس کی تشریح مفسرین کرام یہ فرماتے ہیں کہ نبی کی آمد آزمائش بھی ہے۔ نبی کے بعثت کے بعد اس نبی کا ماننا بھی نجات کے لیے ضروری ہے۔ جو لوگ نبی کو نہ مانیں وہ راہ ہدایت سے دور ہوں گے اور جہنم کے مستحق قرار پائیں گے۔ حضور ﷺ کو آخری نبی ماننا قرآن وحدیث پر عمل کرنا ہے اور نجات کا باعث ہے۔

رحمت عالم ﷺ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

{وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ} [الأنبياء: 107]

ترجمہ: ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

آپ کا یہ ایسا وصف ہے جس کا تعلق ساری انسانیت بلکہ تمام کائنات سے ہے۔ آپ ﷺ کو اللہ رب العزت نے ساری کائنات کے واسطے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ مولائے رحیم نے اس آیت کریمہ میں صراحتاً اس کا اظہار فرمایا ہے۔ سیرت رسول کریم ﷺ کا مطالعہ کیا جائے تو ہر ہر سطر، ہر ورق اور ہر مقام پر اس کا عملی ثبوت مل جائے گا۔ اگر کوئی شخص یہ بیان کرنا چاہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کس کس لحاظ سے بنی نوع انسان کے لیے رحمت بنا کر بھیجی گئی ہے تو اس کے لیے کوئی ایک تقریر یا ایک مقالہ یا مضمون نہیں بلکہ سینکڑوں تقریریں اور مقالات ومضامین درکار ہوں گے پھر بھی اس کا حق پوری طرح ادا نہ ہو سکے گا۔ حضرت مصلح الدین سعدی شیرازی قدس سرہٗ اپنی محبت کا یوں اظہار فرماتے ہیں:

بلغ العلیٰ بکمالہ کشفت الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ صلو علیہ و آلہ

رآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا کوئی ایک پہلو نہیں، اتنے پہلو ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہوسکتا۔ ان میں سے ہر پہلو کو بیان کرنے کے لیے ایک نہیں سینکڑوں کتابیں درکار ہوں گی۔ ان تمام پہلوؤں میں صرف ایک پہلو یعنی آپ کے رحمتِ عالم ہونے کے بارے میں کچھ عرض ہے:

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

حیاتِ مبارکہ کا یہ پہلو اس لحاظ سے بطور خاص قابلِ مطالعہ ہے کی پوری انسانی تاریخ میں ایک ہی ایسی ہستی نظر آتی ہے، جو حقیقت میں انسانوں کے لیے رحمت ثابت ہوئی ہے۔ حیاتِ طیبہ کی رحمت کا وہ خاص رخ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی سماج کے لیے وہ اصول اور ضابطے پیش کیے جن کی بنیاد پر اگر انسان چاہے تو ایک عالمی ریاست کی تشکیل کی جا سکتی ہے اور اس تقسیم کو، جو انسانوں کے درمیان آج پائی جاتی ہے بلکہ ہمیشہ پائی جاتی رہی ہے اور وہ ہمیشہ انسانوں کے درمیان ظلم وفساد کا سبب بنتی رہی ہے، اس کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

محسنِ انسانیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَاِنِّي اَبَاكُمْ وَاحِدٌ لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ لَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ اِلَّا لِتَّقْوٰى اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقَاكُمْ"

(ترجمہ: اے لوگو! تم سب کا رب ایک ہے۔ اور تم سب ایک باپ کے بیٹے ہو۔ کسی عربی کو عجمی (یعنی غیر عرب) پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، نہ

کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر کوئی فوقیت حاصل ہے۔ سوائے اس کے جو تقویٰ شعار ہو۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے) آپ ﷺ کی اس بنیادی تعلیم نے بنی نوع انسانی کے تمام طبقات کو عزت و شرف کا ایک بلند مقام عطا کیا ہے اور عملی طور پر قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں جو فقید المثال امن قائم کیا اس کی مثال مذہبی یا غیر مذہبی دنیا میں کہیں اور نظر نہیں آتی۔

یہی وہ مرکزی نقطہ ہے جو تمام انسانوں کو بلا لحاظ مذہب وملت ایک لڑی میں پروتا ہے اوران کے تمام حقوق اورضروریات کا تحفظ کرتا ہے۔ اسلام نے اسی آفاقی تصور کا حکم دیا، جس نے ان تمام رنگ ونسل اورعلاقائی وقومی امتیازات کو یکسر مٹادیا جو انسانی برابری اوراخوت کے منافی تھا۔ چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ}
[الحجرات:13]

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو کئی گروہوں اور قبائل میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی (اللہ سے ڈرنے والا) ہے۔ یقیناً اللہ بہت علم رکھنے والا اور بہت خبر رکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم ﷺ کو رحمۃ اللعلمین بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ نے وحشی خصلت قوم کو آدابِ انسانیت کے زیور سے آراستہ فرمایا۔ آپ نے عربوں کی صدیوں پرانی نسل پرستی اور تنگ نظری کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا۔ آپ نے فرمایا:

سب انسان یکساں ہیں اور سب اسی خدائے واحد کے بندے ہیں اور آپس میں بھائی

بھائی ہیں۔(مسند احمد، جلد ۴، صفحہ ۳۶۹)۔

یہ وہ تصور تھا جس نے نسلی امتیازات کے دلدادہ قوم کو باہم شیر وشکر کر دیا اور تنگ نظری و تنگ ظرفی کی جگہ ان میں وسعتِ قلبی اور فراخ دلی پیدا کر دی۔

رحمۃ اللعالمین کا اسوۂ حسنہ:

مخلوق خدا کے ساتھ اچھا برتاؤ اور حسنِ سلوک کے بے شمار واقعات سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ سیرت رسول اخلاق حسنہ کی داعی ہے اور جو مکارمِ اخلاق سے خالی ہو وہ عند الاسلام مومن کامل نہیں۔ امام ترمذی ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: »خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ فَمَا قَالَ لِي أُفٍّ قَطُّ، وَمَا قَالَ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَ صَنَعْتَهُ، وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُهُ لِمَ تَرَكْتَهُ

[سنن الترمذی ت شاکر 4/ 368]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں دس سال گزارے۔ آپ نے مجھے کبھی اف تک نہ فرمایا اور میرے کسی کام کے کرنے پر یہ نہ فرمایا کہ یہ کام تو نے کیوں کیا اور میرے کسی کام کے نہ کرنے پر یہ نہ فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ پسندیدہ اور اچھے اخلاق کے مالک تھے۔

امام ترمذی اپنی اسی کتاب ''شمائل'' میں آپ کے خلق عظیم کے تعلق سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ کسی خادم کو اور نہ کسی عورت کو۔

آپ کی سیرتِ طیبہ کے مطالعہ کے بعد انسان کو اطمینان قلب، دماغی سکون، ذہنی فرحت وسرور اور نشاط وانبساط حاصل ہوتا ہے اور عبرت ونصیحت، حکمت وموعظت کا حصول ہوتا ہے۔ اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ ایسے انمول ہیرے ہیں جو بعثت رسول کا مقصد ہیں۔ جیسا کہ امام حاکم مستدرک، کتاب التاریخ باب دلائل النبوۃ، جلد دوم صفحہ ۶۱۳، میں اور امام بیہقی نے اپنی سنن کتاب الشہادت باب بیان مکارم الاخلاق جلد ا، صفحہ ۱۹۱، ۱۹۲ میں، امام مالک بن انس مؤطا جلد ا، صفحہ ۹۴۰ میں حدیث رسول روایت کرتے ہیں:

"اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُ تَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق"، یعنی اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا: میں اس لیے مبعوث کیا گیا ہوں تا کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کروں۔

یہ حدیث جوامع الکلم سے ہے اور فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔ اہل علم و دانش اور صاحبِ فکر و بصیرت پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **"لاتمم الاخلاق"** نہیں فرمایا بلکہ **"لِاُ تَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق"** فرمایا۔ ان دونوں عبارتوں میں واضح فرق موجود ہے۔ یہ ایسی حسین و دلکش تعبیر ہے جس کا بدل فصاحت و بلاغت کی دنیا میں موجود نہیں۔ **"لا تمم الاخلاق"** اور **"لِاُ تَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق"** کا فرق اظہر من الشّمس ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک کے حوالے سے یہ چند فوائد ہیں۔ جز سے کل کی طرف، قلیل سے کثیر کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے علاوہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے شمار فوائد ہیں جن سے دنیا کے ہر خطہ میں ہر فرد رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔

❁ ❁ ❁

معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقۂ دعوت وتبلیغ

دین کی دعوت دینا سنت انبیاے کرام ہے۔حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر تمام نبیوں کے سردار حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حکم سے یہ کام انجام دیا۔ ہر زمانے میں اللہ نے اپنے بندوں کی رشد و ہدایت کے لیے انبیاے کرام کو مبعوث فرمایا تا کہ اس کے بندے اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں و رسولوں پر ایمان لائیں اور صحیح راستے پر چلیں۔پیغمبروں کی تمام تعلیمات میں عقیدۂ توحید سب سے پہلی اور بنیادی تعلیم تھی۔اس کام پر اللہ نے بڑا اجر وثواب بھی رکھا ہے۔دعوتِ دین کا کام جہاں عظمت اور اہمیت کا حامل ہے وہیں یہ انتہائی سخت صبر آزما اور مشکل بھرا کام بھی ہے۔قرآن و احادیث اور انبیاے کرام کی سیرت میں اس کی صراحت موجود ہے۔تمام انبیاے کرام اور اللہ کے محبوب نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فریضہ کے ادا کرنے میں بے انتہا تکلیفیں برداشت کی ہیں جو اہلِ علم سے مخفی نہیں۔انبیا علیہم السلام نے انسانوں کو راہ راست کی طرف بلانے کے لیے جو طریقہ اپنایا وہ پیغام پہنچانے اور نصیحت وتلقین کرنے کا تھا۔ضرورت پڑنے پر اس کی بھی اجازت دی گئی کہ مخاطبین سے اچھے طریقے سے بحث ومباحثہ کیا جائے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے یہ حکم دیا:

{ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ} [النحل: 125]

ترجمہ: اے نبی! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو، حکمت اور عمدہ نصیحت کے سا تھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہ راست پر ہے (کنز الایمان)

اللہ رب العزت نے دعوت دینے کے تین آداب کی رعایت کرنے کا حکم دیا ہے ۔(۱) حکمت (۲) موعظت حسنہ (۳) مباحثہ۔

یہ تینوں دعوتِ دین کے بنیادی اصول ہیں ۔دعوت دین پیش کرنے پر لوگ اعتراض بھی کر سکتے ہیں اور طرح طرح کے سوالات بھی، تو داعی کو اس کی علمی حیثیت کے اعتبار سے حکمت کے ساتھ مباحثہ کرنا پڑتا ہے اور دلائل کے ساتھ حق و سچ بتانا پڑتا ہے تا کہ حق و باطل کی سمجھ آ جا ئے ۔اب اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے۔ دعوتی طریقۂ کار میں حکمت و دانشمندی بہت ضروری ہے جس کا ذکر رب کریم نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (القرآن سورہ آل عمران، آیت: 166)

ترجمہ: بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (کنز الایمان)

جہاں قرآن میں حکمت کو بڑی دولت بتائی گئی ہے وہیں حدیث پاک میں بھی اسے قابل رشک قرار دیا گیا ہے۔ چناں چہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسد (رشک) کرنا صرف دو ہی آدمیوں کے ساتھ جائز ہوسکتا ہے۔ ایک تو

اس شخص کے ساتھ جسے اللہ نے مال دیا اور اسے حق اور مناسب جگہوں میں خرچ کرنے کی توفیق دی۔ دوسرے اس شخص کے ساتھ جسے اللہ تعالی نے حکمت (عقل، علم قرآن وحدیث اور معاملہ فہمی) دی۔ اور وہ اپنے حکمت کے مطابق حق فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔ (بخاری شریف، حدیث نمبر 1409)

علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ حکمت کی تفسیر یوں بیان فرماتے ہیں:

الکلام الصواب القریب الواقع من النفس اجمل موقع (تفسیر البحر المحیط ص 612، ج6 الفکر بیروت)

یعنی حکمت وہ بصیرت وشعور ہے جس کے ذریعہ انسان مناسب وقت کلام کرے۔ اور موقع ایسا تلاش کرے کے مخاطب کے مزاج پر اس کی کوئی بات گراں نہ گزرے، یعنی نرمی کی جگہ نرمی، سختی کی جگہ سختی، اختصار کی جگہ اختصار اور طوالت کی جگہ طوالت اختیار کرے اور جہاں صراحت کے ساتھ کوئی بات کہنے میں مخاطب کو ناگوار گزرتا ہوتو وہاں اشارے سے مطلب ظاہر کرنا ہی کافی ہے۔ احادیث کے ذخیرہ میں اور بھی حدیثیں ہیں، مقالہ کی طوالت کا خوف ہے۔ موعظت حسنہ سے مراد یہ ہے کہ دعوتی واصلاحی کام کرتے وقت دعوت پیش کرنے والے کے اندر ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ ہو، جس سے مخاطب کو مؤثر انداز میں باتیں پیش کی جائیں۔

اصلاح معاشرہ میں علما کا کردار اور ذمہ داریاں:

علم وحکمت اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۔ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (القرآن: سورہ البقرۃ آیت 269،268)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم والا ہے، اللہ حکمت (ودانائی) دیتا ہے جسے چاہے اور

جسے حکمت یعنی علم ملا) اسے بہت بھلائی ملی۔ اسلام چوں کہ کامل واکمل دین ہے، لہٰذا انسانی زندگی کے ہر شعبے پر اس کا حکم نافذ ہے۔ علمائے کرام وارث انبیا ہیں۔ اللہ رب العزت نے ان کو علم وحکمت کی دولت سے نوازا ہے تو ظاہر سی بات ہے ان پر بھی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں دعوت اسلام کے دینے والے علمائے کرام اور داعیان اسلام سبھی ذمہ داروں کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے مسائل ومشکلات پر توجہ دیں، حتی المقدور ضرورت مندوں کی مدد کریں۔ مظلوموں کی حمایت اور مصیبت زدگان کی اعانت کریں۔ اس طرح کے کام کر نے سے دعوت وتبلیغ کے کام کو فائدہ پہنچے گا۔ یہ وہ کام ہیں، جسے نبیوں اور رسولوں نے بھی کیا ۔مثال کے طور پر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجام دیا (القرآن، سورہ ال عمران 49)

ترجمہ: میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور اللہ کے اذن سے مردے زندہ کرتا ہوں میں تمہیں بتا تا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر کے رکھتے ہو بے شک ان باتوں میں تمہارے لیے بڑی شان ہے، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط پڑا، آپ نے بندگانِ خدا کی خدمت کی اور ہر طرح کی مدد فرمائی ۔اسی طرح ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ مظلوموں اور ضرورتمندوں کی مدد کی وغیرہ وغیرہ۔ جس دور میں ہم ہیں وہ انتہائی ترقی یافتہ اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ ان جدید ذرائع سے لوگوں تک دین کی دعوت کو پہنچائیں، دین کی دعوت پیش کرنے کے لیے بہت سی حکمتوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ دعوت دین، عقیدہ، مسائل شرعیہ وغیرہ پیش کرنے کے وقت مخاطب کی ذہنی سطح اور اس کے علم وفہم کی رعایت ضرور کریں، لوگوں سے ان کی فہم کے مطابق گفتگو کریں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

حدثو الناس بما یعرفون (بخاری شریف حدیث نمبر 128)

ترجمہ: لوگوں سے ان کی فہم کے مطابق گفتگو کرو۔

کتاب وسنت میں جگہ جگہ مصلحت وتدریج کوملحوظ رکھا گیا ہے۔تدریج کا مطلب یہ ہے کہ مرحلہ وار اسلام کی تعلیم و ہدایات اورعقائد مخاطب کے سامنے بیان کیے جائیں۔ یک بارگی تمام احکام بتانے سے مخاطب وسامع پریشان اور بوجھل ہو جائے گا ۔دعوتی مذاکرات کے وقت مخاطب کی نفسیات کا خیال رکھا جائے۔آپ ﷺ دعوت دیتے وقت مخاطب کی نفسیات کا خیال رکھا کرتے تھے۔سیرت نبی ﷺ میں بہت سی مثالیں موجود ہیں۔حدیث ملاحظہ فرمائیں:

روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا؟ اللہ کے رسول آپ مجھے زنا کی اجازت دیجئے ،اتنا کہنا تھا کہ صحابہ میں ایک شور برپا ہوگیا آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو مجھ سے قریب کرو،وہ قریب ہوکر سامنے بیٹھ گیا۔آپ ﷺ نے فرمایا: کیاتم اپنی ماں کے ساتھ یہ ناگوار حرکت کروں گے؟ اس نے کہانہیں،آپ ﷺ نے کہا: اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں کے ساتھ ایسا گوارانہیں کریں گے، پھرآپ نے دریافت کیاتم اپنی بیٹی کے ساتھ یہ حرکت کرنا پسند کروں گے؟اس نے کہانہیں،آپ ﷺ نے فرمایا: اسی طرح لوگ اپنی بیٹیوں کے لیےاس کو ناپسند کرتے ہیں،آپ ﷺ نے پوچھا کیاتم اپنی بہن کے ساتھ یہ حرکت کروں گے؟ اس نے کہانہیں،آپ ﷺ نے فرمایا: اسی طرح لوگ اپنی بہنوں کے لیےاس کو ناپسند کرتے ہیں۔اسی طرح ایک ایک کر کے آپ ﷺ نے پھوپھی اورخالہ کے بارے میں دریافت کیا، آخر میں اس کے سینہ پر اپنا دست مبارک رکھ کر یہ دعا فرمائی یااللہ اس کے گناہوں کومعاف فرما،اس کے دل کو پاکیزگی عطا فرمااوراس کی شرم گاہ کومحفوظ فرما(المعجم الکبیرلطبرانی)

اس حدیث پاک میں آپ ﷺ نے نفسیاتی طور پر اس کے ذہن میں زنا کی نفرت بٹھائی۔چناں چہ وہ ہمیشہ کے لیے زنا سے تائب ہوگیا۔اگرسختی سے اس کو زنا سے

روکا جاتا تو عین ممکن تھا کہ وہ زنا میں مبتلا ہو جاتا۔ سیرت رسول ﷺ میں بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

مذہب اسلام پر یلغار اور اس کا سد باب:

آج ہر چہار جانب سے اسلام پر نت نئے طریقے سے حملے ہو رہے ہیں۔ اسلام کے بنیادی عقائد کے علاوہ بھی بہت سے عقائد میں اختلاف پیدا کر رہے ہیں، آج علمائے حق یعنی علمائے اہل سنت و جماعت پر زیادہ ذمہ داری عائد ہے نہ صرف باطل کا منہ توڑ جواب دیں بلکہ ضرورت ہے کہ مدارس میں دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی تعلیم بھی دی جائے، تاکہ علما کی نئی فوج تیاری کے ساتھ پوری طاقت وقوت اور ایمانداری سے اپنا فریضہ انجام دیں۔ طلبہ کے اندر یہ جذبہ ابھارا جائے کہ وہ اپنے علم پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں تک بھی عمل کی ترغیب دیں۔ طلبہکی صحیح تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی ضروری ہے۔ یہ ایک اہم دینی فریضہ ہے، اس کی ادائیگی کی پوری فکر ہونی چاہیے۔ اس ذمے داری میں اساتذہ کے ساتھ اہل علم و دانش اور والدین بھی اپنا اپنا کردار نبھائیں۔ خصوصاً آج کے موجودہ حالات میں تو اس طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے، معمولی کوتاہی وغفلت سے نہایت خطرناک نتائج سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں علمائے کرام کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ تاریخ میں علما کی قربانی موجود ہے، آج ہمارے ملک کے موجودہ عدالتی نظام میں مسلم پرسنل لا (Muslim Personal Law) لاگو ہے۔ یہ علمائے کرام کی ہی دین ہے۔ انگریزی حکومت میں کئی مقدمات ایسے آئے جس میں ججوں کو فیصلہ کرنا دشوار ہو گیا، علما سے رابطہ کیا اور فیصلہ سنایا۔ اسی وقت علمائے کرام نے انگریزی حکومت میں درخواست دی کہ ہمارے مقدمات کا فیصلہ ہمارے مذہبی قانون کے اعتبار سے کیا جائے۔ انگریزوں نے منظور کر لیا اور انہوں نے شریعت ایکٹ 1937 لاگو کر دیا۔ 1947ء میں ہندوستان کی آزادی کے بعد دستور ساز کمیٹی بنی، جس کی سربراہی ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کر رہے تھے، جس میں حضرت مولانا محمد اسماعیل

مدراسی، رفیق احمد قدوائی، مولانا ابوالکلام آزاد، بیگم تجمل حسین اور مولانا عبدالقادر نے شریعت ایکٹ 1937ء کو دستور ساز کمیٹی میں رکھا، جسے دستور ساز کمیٹی نے جوں کا توں برقرار رکھا، جس کی بہت سی دفعات ایسی ہیں جو قابل ذکر ہیں علمائے کرام کو ضرور مطالعہ کرنا چاہیے مطالعہ فرمائیں (بھارت کا آئین، ناشر اردو دنیا)

صحافت ذرائع ابلاغ:

ذرائع ابلاغ یہ لفظ اپنے اندر بہت وسعت رکھتا ہے۔ پرنٹ میڈیا، الیکٹرونک میڈیا اور سوشل میڈیا انتہائی تیز رفتار، انتہائی مؤثر اور دیہات سے لیکر شہر تک، چائے کی دوکان سے لیکر پارلیمنٹ تک اسی کا دور دورہ ہے۔ دینک بھاسکر ہندی اخبار کی حالیہ رپورٹ کے مطابق سوشل میڈیا ہندوستان کی ۸۲ رفیصد آبادی کو کورتج دے رہا ہے۔ ذرائع ابلاغ کی اہمیت ہر زمانے میں رہی ہے، اب تو اس کی اہمیت اتنی ہوگئی ہے کہ حکومتوں کا پورادارومدار اسی پر ہے۔ ہر طرح کی پروپگنڈا مہم اسی سے چلائی جاتی ہیں۔ اب تو باقاعدہ حکومتوں نے اس کام کے لیے ایک اہم شعبہ ''وزرات برائے اطلاعات ونشریات'' بنا دیا ہے۔ یہ وزارت اسی کو دی جاتی ہے جو حکومت کے نظریات کا پوری طرح جاننے والا ہو۔ اس میدان میں علمائے کرام دوسروں کے بنسبت بہت ہی پیچھے ہیں۔ مجھے انتہائی خوشی ہو رہی ہے کہ اس سلسلے میں ہندوستان کی مشہور خانقاہ مارہرہ شریف کے عظیم المرتبت سجادگان خصوصاً حضور سید محمد امین میاں قادری اور حضور سید نجیب حیدر میاں نوری کے زیر انتظام البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ میں علمائے کرام کو صحافت وخطابت کی ٹریننگ دی جارہی ہے۔ یہ کام بہت ہی اہمیت کا حامل ہے ان شاء اللہ اس کے بہت مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ فارغ ہونے کے بعد علم حاصل کرنے کی بھوک ہمیشہ قائم رکھیں۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب رسول ﷺ کو حکم فرمایا:

"وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً"(القرآن سورہ طٰہٰ، آیت: 114)
اور تم عرض کرواے میرے رب مجھے زیادہ علم دے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے علم حاصل کرنے کی فضیلت واضح طور پر ثابت ہوتی ہے اس لیے خدائے تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو علم کے علاوہ کسی دوسری چیز کی زیادتی طلب کرنے کا حکم نہیں فرمایا (فتح الباری شرح بخاری جلد اول ص 613 تفسیر روح المعانی)

مطالعہ کو اپنی پسندیدہ عادت بنالیں۔ کم از کم دن میں تین گھنٹے ضرور مطالعہ فرمائیں۔ تقابلی مطالعہ ضروری ہے تاکہ اپنے عقائد کے خلاف جو بات جانیں تو اس کا جواب دے سکیں۔ کم از کم ایک گھنٹہ اخبارات کا مطالعہ کریں، حالات حاضرہ کی جانکاری رکھیں، مضامین لکھتے وقت لفظوں اور القابوں پر دھیان رکھیں، کس کے لیے یہ لقب موزوں رہے گا اور کس کے لیے نہیں، اس کا ضرور خیال رکھیں اور گاڑھی اردو نہ استعمال فرمائیں۔ مضمون میں حوالہ بہت ضروری ہے۔

یاد رہے کہ دعوت دین کے راستے میں بہت طرح کی رکاوٹیں، نامعقول سوالات، جھوٹے الزامات اور فریب کاریاں سامنے آتی ہیں، ان رکاوٹوں کا مقابلہ ہمت سے کریں اور ثبوت کے لیے قرآن مجید کا حوالہ دیں۔ قرآن مجید انسانوں کے دلوں کو مسخر کرتا ہے، جھوٹ اور فریب کا پردہ چاک کرتا ہے۔ احادیث مبارکہ، صحابہ کرام اور بزرگان دین کے اقوال سے بھی جواب دیں۔ لیکن حوالہ ضرور دیں۔ خاص کر احادیث کا نمبر ضرور دیں۔ کیوں کہ ہمارا مقابلہ دوطرفہ ہے۔ اس وقت دنیاوی دولتوں سے مالا مال نام نہاد اہل حدیث طبقہ حوالہ سے کم پر راضی نہیں ہوتا اور خود حوالہ نہیں دیتا۔ اپنی نجی زندگی کے لیے جو وقت دیتے ہیں، تمام

ضرورتوں کے لیے اس میں دعوت دین کے لیے کم از کم تیس فیصد وقت وقف کر دیں۔ یہ آپ کا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کو اللہ کے احکام و مسائل سے آگاہ کریں، ان میں اسلامی طرز زندگی پیدا کرنے کی کوشش کریں، ان کے سوالات کا معقول جواب دیں، جو افراد گناہوں میں سراپا ڈوبے ہوئے ہیں ان سے شفقت و محبت سے ملیں اور مسلسل محنت و غور و فکر کریں۔ جیسے ہمارے بزرگ علمائے کرام کرتے رہے ہیں کہ کسی طرح اگر دو مسلمانوں میں لڑائی ہو جائے تو حکمت و دانائی، خوش اسلوبی، خلوص، محبت اور اچھی تدبیر سے ان کے درمیان صلح کرائی جائے۔ اگر کوئی مصیبت زدہ ہو تو اس کی دل جوئی کریں، اس کو تسلی و تشفی دیں، ہر شرارت و فتنہ کو پہلے ہی دبا دیں نہ کہ خود اس کا حصہ بن جائیں، جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ عوام آج بھی علمائے کرام کے زیر اثر ہیں، ان کا تقویٰ دیکھ کر ان کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ ایک انتہائی ضروری بات طلبائے کرام سے عرض کرنا ہے کہ آپ فارغ ہو نے کے بعد اپنے مادر علمی اور اساتذۂ کرام سے رشتہ نہ توڑیں، ان سے قلبی لگاؤ رکھیں، اپنے مادر علمی اور اساتذۂ کرام کی گاہے بگاہے مالی خدمت کرتے رہیں۔ کبھی بھی اساتذہ کرام کی عزت کرنے میں کوتاہی نہ برتیں، غرور گھمنڈ نہ دکھائیں، عزت و ذلت اللہ کے ہاتھ ہے ۔لیکن ماں باپ، اساتذہ کی عزت پامال کرنے سے عزت و شہرت ملیا میٹ ہونے میں دیر نہیں لگتی ۔ اللہ پاک ہمارے علم میں برکت اور اساتذۂ کرام کی دعاؤں سے علم و عمل میں اضافہ فرمائے۔ اللہ ہم سب کو دعوت دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ثم آمین!!

❁❁❁

دشمنوں کے ساتھ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاقِ کریمانہ

اللہ رب العزت کے لیے ہی تمام تعریف ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔اسی نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے انبیاے کرام کو مبعوث فرمایا تا کہ وہ اللہ کی کتاب کے احکام لوگوں کو بتائیں۔مقصد یہ تھا کہ اللہ کے دین کی سربلندی قائم ہو اور لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ انہیں پتا نہیں چلا کہ اللہ کی عبادت وفرماں برداری کیسے کی جاتی ہے۔دنیا میں بہت سے پیغمبر آئے ،انہوں نے اللہ کے بندوں تک اس کا پیغام پہنچایا اور اپنی زندگی کا عملی نمونہ پیش کیا،مگر کچھ عرصے بعد ان کی تعلیمات ختم ہوگئیں، یا ان میں بہت سی غلط باتوں کی آمیزش ہوگئی اور ان کی زندگی وتعلیمات کو لوگ بھلا بیٹھے۔لیکن یہ امتیاز و اعجاز صرف رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپ کا لایا ہوا پیغام قرآن مجید اسی شکل میں حرف بہ حرف محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔اسی طرح آپ کی حیات طیبہ بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔آپ کی زندگی کا ہر پہلو جزویات تک آپ کی سیرت میں موجود ہے۔

آپ کی سیرت پر اتنی زیادہ کتابیں اور مضامین لکھے گیے ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ قرآن مجید میں آپ کے اعلیٰ اخلاق کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے:

{وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ} [القلم : 4]

ترجمہ: اور بے شک تمہاری خو (خلق) بڑی شان کی ہے۔(کنزالایمان)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کو اللہ تعالیٰ نے اسوۂ حسنہ قرار دیا۔ چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (ترجمہ) بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک بہترین نمونہ ہے، اس کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کی زندگی انسانیت کے لیے ایک نمونۂ کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمت للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوبیوں کو قرآن کریم میں بیان فرمایا۔ بے شمار خوبیوں میں رحمت للعالمین ہونا یہ سبھی کے لیے باعث رحمت وافتخار ہے۔

وہ ہر عالم کی رحمت ہیں کسی عالم میں رہ جاتے
یہ ان کی مہربانی ہے کہ یہ عالم پسند آیا

اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں رب نے فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ [الأنبياء: 107]

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔ (کنزالایمان)

صحیح مسلم میں ہے کہ: ایک موقع پر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا کہ آپ ان کافروں کے لیے بددعا کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ رحمت و ہدایت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نجی زندگی کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ اپنے متعلقین اور اصحاب کے ساتھ ساتھ غیروں کے ساتھ بھی لطف وکرم، محبت ومؤدت اور نرمی کا برتاؤ کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج میں سختی نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ یہاں تک کہ آپ اپنے دشمنوں پر شفقت ومحبت سے پیش آتے۔ سیرت رسول میں بہت سے واقعات موجود ہیں۔ بخاری شریف تیسری جلد باب المغازی میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جنگ سے واپس آئے اور ایک ببول کے درخت کے سایہ میں قیلولہ فرمانے لگے۔ اتنے میں ایک اعرابی آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کھلی تو دیکھا اعرابی تلوار کھینچے ہوئے سرہانے کھڑا

ہے اور کہہ رہا ہے ''من یمنعک منی'' آپ کو ہم سے کون بچائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ بچائے گا۔ اس کے بعد اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور حضور ﷺ نے تلوار اٹھائی اور فرمایا: اب تو بتا کہ تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ پھر وہ کانپنے لگا اور لرزنے لگا اور حضور ﷺ سے معذرت خواہ ہوا۔ پھر حضور ﷺ نے اسے چھوڑ دیا اور معاف فرمادیا۔ اس کے بعد وہ اپنی قوم میں گیا اور کہنے لگا؛ میں تمہارے پاس سب سے بہتر شخص کے پاس سے آیا ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس شخص نے آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ اور شان عفو و درگزر سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرلیا اور اسی کے سبب بہت سے افراد نے اسلام قبول کیا۔

سیرت رسول ﷺ میں ایسے انمول واقعات بہت سے ہیں۔ اسلام آپ ﷺ کے اخلاق وعفو و درگزر سے پھیلا ہے، تلوار کے زور سے نہیں۔ آپ ﷺ کی نرم مزاجی اورعفو و درگزر کو قرآن کریم نے جابجا بیان کیا ہے اور اس وصف، خوبی کو اللہ تعالیٰ نے رحمت قرار دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ﴾ [آل عمران: 159]

ترجمہ: تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب! تم ان کے لیے نرم دل ہوا اور اگر تند مزاج، سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہوجاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ۔ (کنزالایمان)

فتح مکہ کون نہیں جانتا کہ اس دن رسول اللہ ﷺ کا عفو ودرگزر کتنا اعلیٰ تھا۔ تمام تاریخوں میں اس واقعہ کو آپ پائیں گے۔ صحابہ نے فرمایا: آج بدلہ لینے کا دن ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: آج معاف کرنے کا دن ہے اور آپ نے عام معافی کا اعلان فرمایا۔ آپ کے اس معافی کا اثر یہ ہوا کہ کثیر تعداد میں لوگوں نے جوق در جوق اسلام میں داخل ہوکر کلمۂ توحید

پڑھا۔ یہ تھا آپ کا اخلاقِ کریمانہ۔

بیعت رضوان:

فتح مکہ کی بنیاد تو بیعت رضوان یعنی صلح حدیبیہ کے دن ہی پڑ گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فتح کی بشارت سنائی:

{إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا} [الفتح: 1]۔

ترجمہ: اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کردی۔ آگے اور ارشاد باری ہے۔

{لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا} [الفتح: 18]

ترجمہ: بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔ (کنزالایمان)

صلح حدیبیہ دس سال کے لیے ہوئی تھی۔ مگر ۶۳۰ء عیسوی کے بالکل شروع میں مشرکین مکہ کے اتحادی قبیلہ بنو بکر نے مسلمانوں کے اتحادی بنو خزاعہ پر حملہ کیا اور کئی آدمی قتل (شہید) کر دیے۔ اسی دوران مکہ کے مشرکینِ قریش نے چہروں پر نقاب ڈال کر بنو بکر کی مدد کی مگر یہ بات راز نہ رہ سکی۔ یہ صلح حدیبیہ کا اختتام تھا۔ مسلمان اس وقت تک بہت طاقتور ہو چکے تھے۔ ابوسفیان نے بھانپ لیا تھا کہ اب مسلمان اس بات کا بدلہ لیں گے۔ اس لیے اس نے صلح کو جاری رکھنے کی کوشش کی۔ مدینہ طیبہ کا دورہ کیا۔ ابوسفیان اپنی بیٹی ام حبیبہ کے گھر پہنچا، جو اسلام لے آئی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ تھیں۔ جب وہ بستر پر بیٹھنا چاہا تو حضرت ام حبیبہ نے بستر اور چادر کو لپیٹ دیا اور ابوسفیان کو بیٹھنے نہ دیا۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا کہ بستر کیوں لپیٹا گیا تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ آپ مشرک ہیں اور ناپاک ہیں اس لیے میں نے مناسب نہ سمجھا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ بیٹھیں۔ ابوسفیان نے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کی تجدید کے لیے رجوع کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی دوران قبیلہ بنوخزاعہ کے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد کی فریاد کی۔ بنوخزاعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے ایک شاعر عمرو ابن خزاعہ کو بھیجا جس نے دردناک اشعار پڑھے اور بتایا کہ وہ ''وتیرہ'' کے مقام پر رکوع و سجود میں مشغول تھے، تو مشرکین مکہ نے ان پر حملہ کر دیا اور ہمارا قتل عام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا ہم تمہاری مدد کریں گے۔

جنگ کی تیاری:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روانگی کا مقصد بتائے بغیر اسلامی فوج کو تیار کیا اور مدینہ و قریبی قبائل کے لوگوں کو بھی ساتھ ملا لیا۔ لوگوں کے خیال میں صلح حدیبیہ ابھی قائم تھی، اس لیے کسی کے گمان میں نہ تھا کہ یہ تیاری مکہ جانے کے لیے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے باہر جانے والے تمام راستوں میں نگرانی بٹھا دیا تاکہ یہ خبر قریش مکہ کے جاسوس باہر نہ لے جاسکیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی کہ خدایا! آنکھوں اور خبروں کو قریش سے پوشیدہ کردے تاکہ ہم اچانک ان کے سروں پر ٹوٹ پڑیں۔ ۱۰/رمضان ۸ھ کو روانگی ہوئی۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہاں جانا ہے۔ تیز رفتاری سے ایک ہفتہ کے اندر مدینہ سے مکہ کا فاصلہ طے ہوگیا۔ مکہ سے کچھ فاصلے پر ''مرالظہر ان'' کے مقام پر لشکرِ اسلام خیمہ زن ہوگیا۔ لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ مکہ کا ارادہ ہے۔

جنگ:

جنگ تو ہوئی نہیں۔ مختصر احوال یہ ہیں کہ مرالظہر ان کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی۔ لشکر کو بکھیر (پھیلا) دیا جائے اور آگ جلائی جائے تاکہ قریش مکہ یہ سمجھیں کہ لشکر بہت بڑا ہے اور بری طرح ڈر جائیں اور اس طرح شاید بغیر خون ریزی کے مکہ فتح ہو جائے۔ یہ تدبیر کارگر رہی۔ مشرکین کے سردار ابوسفیان نے دور سے لشکر اسلام کو دیکھا۔ اس سے ایک شخص نے کہا کہ شاید یہ بنوخزاعہ کے لوگ ہیں جو بدلہ لینے آئے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا نہیں ان

کے پاس اتنے لوگ کہاں ۔ ابو سفیان حضور ﷺ سے پناہ لینے کے لے آپ کے چچا حضرت عباس کی پناہ میں چل پڑا۔ کچھ لوگوں نے اسے مارنا چاہا مگر چوں کہ عباس بن عبدالمطلب نے پناہ دے رکھی تھی، اس لیے باز آئے ۔ آقا ﷺ نے کہا کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ایک خدا کو تسلیم کرو اور تم یہ جانو کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں ۔ اس پر ابوسفیان نے کہا مجھے اس میں تردد ہے کہ آپ رسول ہیں ۔ اس کو پناہ دینے والے عباس بن مطلب سخت ناراض ہوئے ۔ فرمایا اگر تو اسلام نہ لایا تو تیری جان کی ضمانت نہیں۔ حضور ﷺ نے پورے لشکر کو اس کے سامنے سے گزارا۔ اس پر ہیبت بیٹھ گئی، مرعوب ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوسفیان لوگوں کو اطمینان دلا سکتا ہے کہ جو کوئی اس کی پناہ میں آ جائے امان پائے گا۔ جو شخص اپنے ہتھیار رکھ کر اس کے گھر چلا جائے، دروازہ بند کر لے یا مسجد الحرام میں پناہ لے وہ سپاہِ اسلام سے محفوظ رہے گا۔ اس کے بعد ابوسفیان کو رہا کر دیا گیا، جس کا فائدہ یہ ہوا کہ اس نے مکہ جا کر اسلامی لشکر کی عظمت بتا کر مکہ والوں کو خوب ڈرایا۔ حضور نے لشکر کو چار دستوں میں تقسیم کیا اور مختلف سمتوں سے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا اور تاکید کی کہ جو تم سے لڑے اس کے علاوہ کسی سے جنگ نہ کرنا۔ چاروں طرف سے شہر گھر گیا اور مشرکین کے پاس ہتھیار ڈالنے کے علاوہ کوئی راستہ نہ بچا۔ صرف ایک چھوٹے سے گروہ نے لڑائی کی جس میں صفوان بن امیہ بن ابی خلف اور عکرمہ بن ابی جہل شامل تھے۔ ان کا ٹکراؤ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت والے دستہ سے ہوا۔ مشرکین کے ۲۸ر آدمی انتہائی ذلت سے مارے گیے۔ لشکر اسلام انتہائی فاتحانہ طریقہ سے شہر مکہ میں داخل ہوا، جہاں سے آٹھ سال پہلے حضور ﷺ کو ہجرت کرنا پڑی تھی۔ کچھ آرام کے بعد حضور ﷺ مجاہدین کے ہمراہ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کعبہ پر نظر پڑتے ہی گھوڑے پر سواری کی ہی حالت میں حجر اسود کو بوسہ دیا۔ آپ ﷺ تکبیر بلند کرتے تھے اور لشکر اسلام آپ ﷺ کے جواب میں تکبیر بلند کرتا۔ کعبہ میں داخل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے تمام تصاویر کو نکال دیا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر بھی شامل تھی اور تمام بتوں کو توڑ دیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی ابن ابی طالب کو اپنے مبارک کا

ندھوں پر سوار کیا اور بتوں کو توڑنے کا حکم دیا اور اپنے ہاتھوں سے بھی توڑتے رہے۔ یہاں تک کہ کعبہ کو شرک کی تمام غلاظتوں سے پاک کر دیا۔ فتح مکہ بھی ماہ رمضان جیسے مبارک مہینے میں ہوا۔ ۲۰ر رمضان المبارک ۸ رہجری بمطابق جنوری ۶۳۰ عیسوی کو ہوا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

{إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا} [الفتح: 1]۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مبارک زبان سے یہ کہتے جاتے تھے:

{وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا} [الإسراء: 81]

ترجمہ: اور فرماؤ حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔ (کنز الایمان)

ایک صحابی رسول عبد اللہ بن رواحہ نعتیہ اشعار پڑھ رہے تھے۔ آج مکہ پر ستارہ صبح طلوع ہوا ہے۔ آج ہمارے درمیان ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو خدا کی کتاب کی آیات تلاوت کرتا ہے۔ آج ہم ان سے بدلہ لیں گے جنہوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جلاوطنی پر مجبور کیا تھا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں آج اہلِ مکہ کو امن و آزادی کی بشارت ملنے والی ہے۔ آپ نے عام معافی کا اعلان فرمایا۔ عام معافی کے اعلان نے دشمنوں پر ایسے اثرات ڈالے کہ وہی خون کے پیاسے دین کے بدترین دشمن سب آپ پر ایمان لے آئے۔ آپ پر جان چھڑکنے لگے۔ ایسے پاکباز اور خدا ترس اور ایسے عاشق رسول بن گیے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاقِ کریمانہ تھا۔ لہٰذا ہم تمام امتیوں کو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے حسن اخلاق اور عفو و درگزر کو اختیار کرنا چاہیے۔

اللہ ہم تمام کو توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

❀ ❀ ❀

جنگ بدر میں
اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کردار

جنگ بدر کو گزرے ہوئے چودہ سو سال سے زیادہ ہو چکے ہیں، لیکن اس کی یاد آج بھی مسلمانوں کے ایمان کو تازہ کر دیتی ہے۔ صدیوں بعد آج بھی مقامِ بدر کفار کی شکست فاش اور مسلمانوں کی فتح و کامرانی کی گواہی دیتا ہے، کیوں نہ ہو خود رب تبارک و تعالیٰ نے اپنے کلام میں اس کا ذکر فرمایا۔ چناں چہ سورہ انفال میں پوری تفصیل سے اور سورہ آل عمران و سورۃ الصّف، آیت ۱۱، سورۃ المؤمنون، سورۃ البقرہ، سورۃ عنکبوت وغیرہ میں اس جنگ کے حال کو بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

{ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ}
[آل عمران: 123]

ترجمہ: اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل بے سروسامان تھے تو اللہ سے ڈرو کہیں تم شکر گزار ہو (کنزالایمان)

تیرہ سال تک کفار مکہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ ان کا خیال تھا کہ مٹھی بھر یہ بے سروسامان مسلمان بھلا ان کی جنگی طاقت کے سامنے کیسے ٹھہر سکتے ہیں۔ لیکن یہ توحید کے متوالے سچے عاشق رسول ذرہ برابر پیچھے نہیں ہٹے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور صرف تین سو تیرہ (۳۱۳) مسلمانوں نے اپنے سے

تین گنا بڑے لاؤلشکر کو ان کی تمام تر مادی طاقت کے ساتھ خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا۔

جنگ بدر:

اسلام کی جنگوں میں جنگ بدر سب سے پہلی اور کفر وشرک میں امتیاز پیدا کرنے والی جنگ ہے۔ اس لیے کہ اسلام کی عزت وشوکت کی ابتدا اور کفر وشرک کی ذلت ورسوائی کی ابتدا اسی غزوہ سے ہوئی۔ اسی لیے اس میں شریک ہونے والے صحابہ کرام کی قرآن وحدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ صحابہ کرام کا ایمان بالیقین کی منزل سے آگے تھا۔ اللہ ورسول کے فرمان پر ایمان اتنا راسخ تھا جس کی مثال آج تک دنیا میں نہیں ملی اور نہ آنے والی صبح قیامت تک ملے گی۔

ہجرت مدینہ:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ہجرت مدینہ فرمائی تو کفار قریش نے ہجرت کے بعد ہی مدینہ طیبہ پر حملے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ جنگ بدر سے پہلے اتفاقی جھڑپ جو صحابہ اور قریش مکہ سے ہوئی اور اس میں عمرو بن خصومی کا قتل ہو گیا، جس نے کفار مکہ کے غصہ کو مزید بھڑکا دیا اور اس واقعہ سے بھڑک کر کفار مکہ نے زبردست جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ان حالات کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرام کو جمع کیا اور اس واقعہ اور کفارِ مکہ کی تیاریوں کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام نے جواب میں نہایت جذباتی اور فدایانہ تقریر کی۔ حضرت سعد بن عبادہ (خزرج کے سردار) نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خدا کی قسم! اگر آپ حکم فرمائیں تو ہم سمندر میں کودنے کو تیار ہیں۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم حضرت موسیٰ کی امت کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا رب خود جا کر لڑے، ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں بلکہ ہم آپ کے دائیں سے، بائیں سے، سامنے سے اور پیچھے سے لڑیں گے۔ پھر آپ نے اور تمام صحابہ نے اعلان کیا کہ ہم لوگ واقعی آپ کے تابعدار

ہوں گے، جہاں آپ کا پسینہ گرے گا ہم اپنا خون بہادیں گے۔آپ بسم اللہ کیجئے اور جنگ کا حکم فرمائیں۔ان شاء اللہ اسلام ہی غالب آئے گا۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس جذبہِ سرفروشانہ اور جوشِ ایمانی کو دیکھا تو آپ کا چہرۂ اقدس فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔پھر آپ نے اپنا چہرۂ مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر ان سب کے لیے بارگاہ خداوندی میں دعاے خیر فرمائی اور ارشاد فرمایا: خداوند قدوس نے مجھے قافلہ ولشکر میں سے کسی ایک پر فتح عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔بلا شبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور بخدا! میں ابھی سے کفار کے سرداروں کی قتل گاہ دیکھ رہا ہوں۔یہ تھا صحابۂ کرام کا ایمان کامل اور اسلام پر مر مٹنے کا جذبہ۔اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی آزمائش فرمائی۔قرآن مجید میں ہے:

{أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ} [البقرة: 214]

ترجمہ: کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤں گے اور ابھی تم پر اگلوں کی سی روداد (حالت) نہ آئی پہنچی، انہیں سختی اور شدت سے ہلا ہلا ڈالے گیے یہاں تک کہ کہہ اٹھا رسول اور اس کے ساتھی ایمان والے کب آئے گی اللہ کی مدد سن لو بے شک اللہ کی مدد قریب ہے۔(کنز الایمان)

اتنی آزمائشوں کے بعد ہی اللہ نے ان سے راضی ہونے کی خوشخبری سنائی۔

{لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ} [الفتح: 18]

ترجمہ: بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے۔

آقاے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کو برا نہ کہو، اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا (اللہ کی راہ میں) خرچ کر ڈالے تو ان کے ایک مد غلّہ کے برابر بھی نہیں ہوسکتا اور نہ ان کے آدھے مد کے برابر۔(صحیح بخاری، راوی عبد اللہ بن داؤد، ابو معاویہ، شعبہ، جریر،

محاضر، اعمش، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، حدیث نمبر ۳۶۷۳)

جنگ بدر:

جنگ بدر ۱۷/رمضان المبارک ، جمعۃ المبارک ۲/ہجری بمطابق ۱۳/مارچ ۶۲۴ عیسوی کو ہوئی۔ اسی سال بہت بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے۔ تحویل قبلہ بھی اسی سال ہوئی۔ اسی سال زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا۔ اسی سال جہاد کی اجازت ملی۔ اسی سال امت محمدیہ پر روزے فرض ہوئے (پہلے ہی سے روزہ فرض تھا، اس کی صورت دوسری تھی) ۔اسی سال آیات جہاد نازل ہوئیں اور مسلمانوں نے جنگ بدر سے جہاد کا آغاز کیا۔ مدینہ منورہ سے تقریباً ۱۱۰/کلومیٹر کے فاصلے پر بدر ایک کنواں ہے جس کا مالک ایک شخص مسمیٰ بدر ابن عاصم میر نے کھودا تھا، اسی کے نام سے یہ گاؤں تھا جہاں زمانۂ جاہلیت میں سالانہ میلہ لگتا تھا۔ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کی سرزمین میں اللہ کی وحدانیت کا اعلان فرمایا اور فرمایا کہ صرف اور صرف اللہ ہی کی عبادت سچ اور حق ہے تو آہستہ آہستہ لوگ حق کو قبول کرنے لگے اور اسلام میں داخل ہونے لگے۔ مدینہ میں بھی اسلام پھیلنے لگا۔ یہ بات کفار مکہ کو پسند نہ آئی۔ ان کے لیے یہ انتہائی تکلیف دہ بات تھی۔ قریش مکہ ہمیشہ اسلام کو مٹانے اور اس کے ماننے والوں کو ختم کرنے کے لیے منصوبے بناتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کو ہر وقت مدینہ پر اور مسلمانوں پر حملے کا خوف لگا رہتا تھا۔

اس صورتحال کی نزاکت کا یہ حال تھا کہ صحابۂ کرام ہتھیار لے کر چلتے، ہتھیار لے کر سوتے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح کی حفاظتی تدابیر اختیار فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشاعت دین میں لگے رہتے۔ آپ اور آپ کے جاں نثار ساتھی مدینہ اور اطراف میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں لگے رہتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے اثرات تیزی سے دور دراز علاقوں تک پہنچنے لگے۔ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو رہے تھے۔ ان کوششوں سے بحرین کا سردار عبدالقیس مدینہ کی طرف اسلام قبول کرنے آ رہا تھا کہ کفار مکہ

نے راستے میں ہی روک لیا۔ رجب ۲ رہجری میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن جحش کی قیادت میں بارہ آدمیوں کا ایک دستہ اس لیے بھیجا کہ قریش کے تجارتی قافلوں کی نقل وحرکت اوران کی تیاریوں پر نگاہ رکھیں۔ اتفاقی طور پر قریشی قافلہ مل گیااور جھڑپ ہوگئی،جس میں عمرو بن الحضری کا قتل ہوگیا۔(جس کا ذکراوپر گزر چکا ہے) دوگرفتار کر کے لائے گیے۔حضور کوقتل کی خبر سن کر تکلیف ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔قیدیوں کو رہا کرادیا اور مقتول کو خون بہا عطیہ ادا کیا۔ اس واقعہ کا قریش مکہ نے خوب پروپیگنڈہ (Propaganda) کیا اور عرب کے تمام قبائل کو مسلمانوں اور اسلام کے خلاف اکسایااور اسلام کے خاتمے کا منصوبہ بنا کر مسلمانوں سے بدر کے مقام پر جنگ کا آغاز کیا۔ اس معرکے کا ذکر دنیا کی تمام تاریخ میں موجود ہے۔انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (Encyclopedia Britannica) جوکہ ۳۲ رجلدوں پر تاریخ کی مستند کتاب مانی جاتی ہے، اس میں اس کا تفصیلی ذکر ہے۔لیکن افسوس! تاریخ دانوں نے اسلام دشمنی کی وجہ سے تاریخ سے انصاف نہیں کیا۔اسی طرح اس کے مصنف نے بھی بددیانتی سے کام لیا ہے۔ خاص کر جنگ کے بعد آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان کہ قیدیوں سے حسن سلوک سے پیش آؤ اس کا ذکر سرے سے غائب ہے۔ بہرحال، جنگ بدر کا ذکر تو کلام الٰہی میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں مسلمانوں کی فتح مبین کے بارے میں احسان جتایا ہے۔

جنگ بدر میں دونوں لشکروں کا موازنہ:

اسلامی مجاہدین ۳۱۳، کفار ۹۵۰ ،لشکر اسلامی اونٹ ۷۰، کفار ۷۰۰،لشکر اسلامی گھوڑے ۳، کفار ۷۰۰ ،لشکر اسلامی تلواریں ۸، کفار ۹۵۰ ،لشکر اسلامی زرہیں ۶، کفار ۹۵۰، وغیرہ وغیرہ۔ کفار کے لشکر میں کھانے پینے کا سامان بہت کثرت سے تھا،روز گیارہ اونٹ ذبح کر کے کھاتے جب کہ اسلامی لشکر میں سامان کی حالت یہ تھی کہ کسی کے پاس ایک صاع کھجوریں اور کسی کے پاس دو صاع۔ کفار کے لشکر میں عیش وعشرت کا سامان کافی

تعداد میں تھا اور وہ پانی کے پڑاؤ کے قریب تھے۔طوائفوں اور گانے بجانے کا سامان تھا جب کہ مسلمانوں کے پاس ایک خیمہ تھا۔صحابہ کرام نے کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں سے ایک جھونپڑی تیار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس میں ٹھہرایا۔آج اس جگہ مسجد بنی ہوئی ہے۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۲، صفحہ ۱۴۷)

جنگ بدر کی ترتیب:

انسائیکلو پیڈیا ٹانیکا کا مصنف لکھتا ہے: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ظاہر حیات طیبہ کے ۵۵ سال گزارنے کے بعد پہلی بار آپ نے ۱۳ مارچ ۶۲۴ عیسوی بمطابق ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری میں جنگ بدر میں شرکت فرمائی۔پہلی ہی جنگ میں آپ نے لشکر کی ترتیب ایسے بہترین طریقے سے انجام دی کہ دنیا کے سامنے ایک مثال قائم فرمادی۔اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام علوم وفنون کے ساتھ علم وفن حرب بھی ودیعت فرمایا تھا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے علم غیب سے آپ کو نوازا تھا۔جنگ بدر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ میدان جنگ کا معائنہ فرمایا۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا: یہ فلاں کے گر کر مرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کے مر کر گرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کا مقتل ہے اور یہ فلاں کی جائے کشتن ہے۔اور ایک ایک مارے جانے والے کا نام اور اس کے مقتل کا نشان بتایا اور ان میں سے کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی جگہ کے برخلاف نہ مارا گیا۔چناں چہ اسی جگہ سے ایک بالشت بھی ہٹ کر نہ مرا۔یہ ہے علم غیب مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مدارج النبوۃ جلد ۲، صفحہ ۱۴۴ سے ۱۴۷ تک)

جنگ بدر کی لڑائی کے دن صبح فجر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد کی تلقین کی اور صف بندی کر کے لشکر جرار کو شکست دینے کے آہنی عزم سے میدان جنگ کی طرف بڑھے۔مسلمانوں کے لیے سخت آزمائش کا وقت تھا۔اس لیے کہ اپنے ہی بھائیوں سے مقابلہ کرنا

تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے عبد الرحمٰن سے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنے باپ عتبہ سے وغیرہ وغیرہ مقابلہ کرنا تھا۔ سب سے پہلے جہنم کا ایندھن عمر الحضری کا بھائی عامر میدان میں نکلا اور مدمقابل کو بلایا۔ مقابلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام نکلا اور چشم زدن میں اس مغرور کا خاتمہ کر دیا۔ یہ اپنے بھائی کا انتقام لینے آیا تھا۔ (جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) وہ جہنم رسید ہو گیا۔ اس کے بعد عتبہ بن ربیعہ اس کا بھائی شیبہ اور اس کا بیٹا ولید بن عتبہ میدان میں نکلے اور مبارز (جنگ کے لیے تیار ہو کر آنے والا اور لڑنے والا) تین انصاری صحابی نکلے۔ ان تینوں نے ان سے مقابلہ کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم بکری چرانے والے چرواہے سے نہیں لڑیں گے۔ یہ ہمارے ہم پلہ نہیں ہیں اور غرور میں چلا کر کہا:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مقابلے میں قریشی بھیجو، ہم بہادر ہیں چرواہوں سے نہیں لڑتے۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر حضرت حمزہ، (بعد میں امیر حمزہ کے نام سے مشہور ہوئے) حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ مقابلے کے لیے نکلے۔ مغرور قریشی سرداروں نے ان کے نام پوچھے اور ''ہاں تم ہمارے ہم پلہ ہو''۔ مقابلہ شروع ہوا، چند لمحوں میں حضرت حمزہ نے شیبہ کو جہنم رسید کر دیا اور حضرت علی نے ولید کو قتل کر ڈالا اور لشکر اسلام سے تکبیر کی آواز بلند ہوئی۔ اسی دوران عتبہ اور حضرت عبیدہ نے زبردست جنگ لڑی اور دونوں زخمی ہو کر گر پڑے۔ حضرت علی اپنے مدمقابل کو جہنم رسید کر کے عتبہ کی طرف لپکے اور ایک ضرب میں اس کا کام تمام کر دیا اور عبیدہ کو لشکر میں اٹھا لائے۔ کفار نے نامور سرداروں کو کٹتے دیکھ کر یک بارگی حملہ کر دیا تاکہ اکثریت کے بل بوتے پر لشکر اسلام کو شکست دیں۔ زبردست جنگ جاری تھی۔ کفار قریش کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ مسلمان خوب شجاعت و جواں مردی سے لڑ رہے تھے۔ اسی دوران اسلامی لشکر کے دو کم عمر بچے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے جنگ میں شامل ہوئے تھے، معاذ بن عمرو بن جموع اور معاذ بن عضر حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے

پاس آئے اور ان سے پوچھا: چچا جان، آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں، وہ کہاں ہے؟ ہم نے سنا ہے وہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں بکتا ہے۔ آپ نے اشارے سے بتادیا وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ یہ دونوں ننھے مجاہدین پیدل دوڑ پڑے۔ دونوں نے ابوجہل پر حملہ کیا۔ زبردست مقابلہ ہوا۔ ابو جہل نے معاذ بن عمرو پر حملہ کیا۔ آپ کا بازو کٹ کر لٹک گیا۔ آپ نے پیر سے دبا کر اسے ہٹایا اور ایک ہی ہاتھ سے ابوجہل پر زبردست وار کیا اور اسے واصلِ جہنم کردیا۔ زور کا نعرہ لگا۔ ابوجہل کے قتل ہوتے ہی کفار قریش میں کھلبلی مچ گئی اور سارے لشکر کفار میں بھگدڑ مچ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مدد بھیجی۔ قرآن مجید میں ہے:

{إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ} [الأنفال: 9]

ترجمہ: جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزار فرشتوں کی قطار سے (کنزالایمان)

مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ: جنگ بدر میں اولاً ایک ہزار فرشتے آئے، پھر تین ہزار، پھر پانچ ہزار۔ صحابہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ان کے آگے کافر بھاگا جا رہا ہے۔ اچانک کوڑے کی آواز آئی اور کافر خود بخود قتل ہوگیا۔ (نورالعرفان صفحہ ۲۸۲، ۲۸۳)

جنگ شروع ہوتے ہی کفار کو مسلمان بہت زیادہ دِکھنے لگے تھے، جس سے ان پر رعب چھا گیا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ (تفسیر نورالعرفان صفحہ ۲۹۰)

مسلمانوں کے کل چودہ (۱۴) لوگ شہید ہوئے اور قریش کے ستّر (۷۰) لوگ مارے گیے جن میں سے ۳۶/لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ ۷۰/سے زیادہ گرفتار ہوئے۔ کفار قریش کے مقتولین میں ان کے تقریباً تمام نامور سردار شامل تھے اور گرفتار ہونے والے بھی ان کے معززین تھے۔

بدر کے جنگی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک:

باوجود قدرت وطاقت کے قصوروار کو معاف کر دینا،عفو ودرگزر سے کام لینا اور اس سے حسن سلوک کرنا یہ بہت بڑا کام ہے۔قرآن کریم میں ہے:

{فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ} [المائدة: 13]

ترجمہ: تو آپ معاف فرماتے رہیے ان کو اور درگزر فرمائیے۔ بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو۔

یعنی وہ ستاتے رہیں آپ نظر انداز کرتے رہیں اور اے محبوب! ہر خوبی و دلیری سے آپ اپنا کام کریں،عفو ودرگزر سے کام لیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک ﷺ کو مکارم اخلاق کی کتنی بے نظیر تعلیم دی ہے۔اسی لیے تو حضور ﷺ نے فرمایا: ادبنی ربی فاحسن تادیبی۔یعنی میری تعلیم وتربیت میرے رب نے فرمائی اور خوب فرمائی۔(تفسیر ضیاء القرآن جلد ایک،صفحہ ۴۵۱)

دوسری جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے: {فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا} [البقرة: 109]

آپ درگزر کرتے رہو اور نظر انداز کرتے رہو۔

یہ آیات کریمہ آپ کے اعلیٰ اخلاق کا اعلان کرتی ہیں۔آپ کمال عفو درگزر فرمانے والے تھے۔مطلب یہ کہ آپ نے اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہ لیا،جس نے آپ کے مال کو برباد کیا یا آپ کو برا بھلا کہا یا تکلیف پہنچائی،اسے آپ نے معاف کر دیا۔البتہ جس نے اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کیا یا مرتد ہو گیا تو آپ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔اسی لیے حدیث شریف میں ہے: "**ما انتم لنفسه**"۔حضور ﷺ نے اپنی ذات کے تعلق سے کسی سے انتقام نہ لیا اور "انتھاک حرمات اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کرنے پر سزا دی۔ حضور ﷺ نے اسیران بدر کو صحابہ میں تقسیم کر کے انہیں آرام سے رکھنے کا حکم دیا۔صحابۂ

کرام نے اپنے محبوب قائد کے فرمان پر اس حد تک عمل کیا کہ خود کھجوریں اور سوکھی روٹی کھا کر قیدیوں کو کھانا کھلایا۔ یہ قیدی صحابہ کے حسن سلوک سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان میں بہت سے مشرف بہ اسلام ہوئے جن میں عباس بن عبد المطلب اور عقیل بن ابو طالب وغیرہ شامل تھے۔ ان قیدیوں کے بارے میں حضور ﷺ نے صحابۂ کرام سے مشورہ طلب فرمایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کر کے دشمن کی طاقت کو توڑنے کا مشورہ دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔ آپ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اتفاق کرتے ہوئے اسیرانِ جنگ سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ جو قیدی غریبی کی وجہ سے فدیہ نہیں دے سکے اور وہ پڑھے لکھے تھے، تو آپ ﷺ نے دس دس صحابی کو پڑھانے کے عوض رہا فرمادیا۔ تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس سے مسلمان لگائیں۔ افسوس کہ آج بھی مسلمان تعلیم میں پیچھے ہیں۔ طرح طرح کے جھگڑوں میں پڑ کر وقت برباد کر رہے ہیں۔ ہمارے لیے حضور کی زندگی ہر شعبے میں راہِ عمل اور راہِ نجات ہے۔ جنگ بدر کی فتح میں سب سے بڑا راز اللہ تعالیٰ کی مدد صحابۂ کرام کا ایمان بالیقین کے ساتھ کھڑے ہونا اور نبی ﷺ کا دعا کرنا تھا۔ اللہ ہم سب کو حکم الٰہی و رسول کی پیروی کرنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

❀ ❀ ❀

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایفائے عہد

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو کمال انسانیت کا آئینہ دار نہ ہو، لیکن اس کے دو اہم پہلو ایسے ہیں، جو سب سے زیادہ بنیادی اور سب سے اہم ہیں (1) ایک تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جو حق تھا اسے آپ نے خلق تک جوں کا توں پہنچا دیا اور کبھی اس بات کو روا نہ رکھا کہ اس کا کوئی جز ولوگوں پر واضح ہونے سے رہ جائے۔

(2) دوسرا یہ کہ آپ نہایت سچے وعدہ نبھانے والے اور امین یعنی دیانت دار ہیں۔قرآن کریم، حدیث پاک اور علما کی لکھی ہوئی قدیم و جدید کتب کا جس نے بھی اچھی طرح مطالعہ کیا ہے اور نیر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے بارے میں سیر حاصل تحقیق کی ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں آنے والے سب سے بڑے وعدہ نبھانے والے تھے اور کئی صدیوں کے گذر جانے کے باوجود یہ حقیقت دھندلی ہونے کے بجائے زیادہ روشن اور صاف ہوگئی ہے۔

ساری دنیا اور معاشرے کی تعمیر و تکمیل میں جہاں اور بہت سی چیزیں اہمیت رکھتی ہیں ان میں اہم چیز ایفائے عہد (قول و قرار کا پورا کرنا) بھی ہے۔اس کے ذریعے معاشرے میں ایک توازن پیدا ہوتا ہے، جس سے ماحول خوشگوار بن جاتا ہے اور وقتی رنجش ہو یا دائمی غم سب کا ازالہ ہو جاتا ہے، کوئی بھی ملک ہو یا کمپنی یا قبیلہ یا انسان کسی بات پر کوئی عہد کرے یا کسی

طرح کا وعدہ کرے لیکن بروقت اس کی تعمیل و تکمیل نہ کرے تو ایسی صورت میں ایک قسم کی بد مزگی پیدا ہو جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ایفاے عہد (وعدہ) کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے۔ قرآن و حدیث میں بہ کثرت یہ حکم ملتا ہے کہ جو معاملہ کرو یا کسی سے وعدہ کرو تو اسے بر وقت پورا کرو۔ بندوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ سارے عہدوں (وعدوں) کو پورا کرو خواہ خالق کائنات سے کریں یا مخلوق سے۔

اللہ تعالیٰ نے عہد کے سلسلے میں خود اپنے بارے میں کئی مقامات پر فرمایا ہے۔ چناں چہ فرماتا ہے:

{إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ} [الرعد: 31]

یقیناً اللہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

اور ایک مقام پر فرمایا ہے: {وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰهِ} [التوبة: 111]

اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد پورا کرنے والا کون ہے۔

عہد کا پورا کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں اس صفت کو جلوہ گر دیکھنا چاہتا ہے اس لیے اس نے عہد (وعدہ) کی بار بار تاکید کیا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے:

{وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا} [الإسراء: 34]

ترجمہ: اور عہد کو پورا کرو عہد کے بارے میں (اللہ کے یہاں) ضرور باز پُرس ہوگی۔

اس طرح کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے ایفاے عہد کی سختی کے ساتھ تاکید فرمایا ہے۔

اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور انبیاے کرام کی صفت بھی وعدہ پورا کرنے والی ہے۔ رب

العزت فرماتا ہے:

{إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا} [مریم: 54]

ترجمہ: جتنے بھی رسول آئے سب سچے وعدہ پورا کرنے والے۔اور آگے ارشاد فرماتا ہے:

{إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا} [مریم: 41] ترجمہ: بے شک وہ صدیق تھا غیب کی خبریں دیتا۔

جو لوگ حج کی سعادت عظمیٰ و روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاضری سے سرفراز ہو چکے ہیں، انہوں نے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جالیوں میں لکھا ہوا دیکھا ہوگا (**الحمد لله ثم الحمد لله** ناچیز نے اسی سال یہ سعادت پائی ہے)

(1) وفائے عہد ایمانی صفت ہے (2) جھوٹا آدمی دین و دنیا میں کہیں کامیاب نہیں ہوتا (3) وعدہ نبھانے اور عہد کی پابندی کرنے والے سے اللہ خوش ہوتا ہے اور دوست رکھتا ہے (4) وعدہ خلافی کرنے والے پر سخت عذاب کی وعید ہے (5) ایفائے عہد کرنے والے سے اللہ محبت فرماتا ہے۔ چناں چہ قرآن پاک میں ہے:

{بَلَى مَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ وَاتَّقَى فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ} [آل عمران: 76]

ترجمہ: ہاں! جس نے وعدہ پورا کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت فرماتا ہے۔

عہد کی پابندی نہ کرنے والے پر سخت عذاب کی وعید ہے۔۔اسلام نے محض ایفائے عہد کی تعلیم و تلقین ہی پر اکتفا نہیں کیا۔اس کی پابندی نہ کرنے کی صورت میں اللہ کے عذاب کی وعیدیں بھی آئی ہیں۔

{إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ لَا خَلَاقَ

لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ } [آل عمران: 77]

ترجمہ: بے شک جولوگ خریدتے ہیں اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی سی قیمت یہ وہ (بدنصیب) ہیں کہ کچھ حصہ نہیں ان کے لیے آخرت میں اور بات نہ کرے گا ان سے اللہ تعالیٰ اور دیکھے گا بھی نہیں اللہ ان کی جانب قیامت کے روز نہ پاک کرے گا انہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

عہد پورا نہ کرنے اور جھوٹی قسم کھانے پر بہت سی وعیدیں قرآن پاک وحدیث شریف میں آئی ہیں۔ وعدہ نبھانے نے والے کی طرف اللہ پاک نہ دیکھے گا اور نہ ہی گناہ معاف فرمائے گا۔تفسیر ضیاء القرآن جلد اول صفحہ 245 سے 246 تک کبیرہ گناہوں کی فہرست بہت طویل ہے لیکن اس میں عہد شکنی وعدہ خلافی کونمبر 3 پر رکھا گیا ہے اور جوسزا مقرر کی گئی ہے وہ کسی دوسرے گناہ کے لیے تجویز نہیں کی گئی۔عہد شکنی کے لیے پانچ سزاؤں کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے،غور کریں اور اپنا محاسبہ فرمائیں۔

(1) وہ آخرت کی نعمتوں سے یکسر محروم کر دیا جائے گا (2) رحمٰن ورحیم خدائے پاک اس سے بات تک نہ کرے گا (3) اس کی نظر کرم ورحمت سے بھی محروم رہے گا (4) گناہوں کی آلائشوں سے بھی وہ پاک نہیں کیا جائے گا (5) اس کے علاوہ اسے دردناک عذاب دیا جائے گا۔

عہد شکنی نفاق کی علامت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عہد شکنی کونفاق کی خصلتوں میں شمار کیا ہے اور وعدہ خلاف شخص کومنافق قرار دیا ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:

آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ

خَانَ [صحیح البخاری 16/1]

منافق تین باتوں سے پہچانا جاتا ہے: (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے (۳) جب امانت سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ چار خصلتیں ہیں جس کے اندر پائی جائیں وہ خالص منافق ہوگا (1) جب بولے تو جھوٹ بولے (2) جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف ورزی کرے (3) جب معاہدہ کرے تو توڑ دے (4) جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اعلان نبوت کے پہلے بھی صادق الامین کے لقب سے مشہور تھے، وعدہ کی اہمیت پر ارشاد فرماتے ہیں: ''اَلْعِدَّةُ دَیْنٌ'' وعدہ ایک قسم کا قرض ہے، جس طرح قرض ادا کرنا واجب ہے اسی طرح وعدہ پورا کرنا بھی واجب ہے۔

ایفاے عہد پورا کرنے کی نیت پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ایفاے عہد کی نیت کے باوجود وعدہ پورا نہ کر سکے تو یہ وعدہ خلافی نہیں۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ایفاے عہد کی نیت ہو اور آدمی وعدہ وفا نہ کر سکے تو یہ خلف وعدہ نہیں ہے۔ ہاں خلف وعدہ (وعدہ خلافی) یہ ہے کہ آدمی وعدہ کرے اور ایفاے عہد (وعدہ پورا نہ کرنے کی نیت نہ ہو (مولف کنز العمال جلد 3 رصفحہ 200)

صادق الوعد الامین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وعدہ وفا کرنا ملاحظہ فرمائیں۔ صلح حدیبیہ میں کفار و مشرکین کی من مانی کے باوجود اللہ کے رسول نے معاہدہ فرمایا۔ صحابہ پر شرائط سن کر غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ابھی معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ کفار کے نمائندے سہیل بن عمرو کا لڑکا - ابو جندل جو ایمان لا چکے تھے، انہیں زنجیروں میں جکڑ دیا گیا تھا، زنجیروں کو گھسیٹتے ہوئے میدان میں آ گیے۔ مسلمانوں نے بڑے پُر تپاک انداز میں خوش آمدید کہا۔ ان کا باپ سہیل بن عمرو

ابھی وہیں موجود تھا، اس نے ببول کی ٹہنی توڑ کر حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کے منہ پر مارنے لگا، چہرہ لہولہان ہو گیا اور سہیل بن عمرو نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ پہلا آدمی ہے اس کی واپسی کا مطالبہ میں آپ سے کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا ابھی معاہدہ لکھا جا رہا ہے۔ ابھی دستخط نہیں ہوئے ہیں، معاہدہ اس وقت واجب العمل ہوتا ہے جب فریقین کے دستخط ہو جاتے ہیں۔ اس ظالم نے کہا اگر آپ میرے لڑکے کو واپس نہیں کریں گے تو سارے معاہدے کالعدم قرار دیے جائیں گے۔ حضور رحمت عالم نے فرمایا اے سہیل اسے (ابو جندل) کو میرے لیے چھوڑ دو۔ لیکن اس نے حضور کی بھی پرواہ نہیں کی اور ضد کرنے لگا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ جان رہے تھے کہ ہم کو اپنے پاس لے جائیں گے تو یہ اور زیادہ ظلم کریں گے، آپ رونے لگے، حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا ابو جندل صبر کرو اور اللہ سے اس کے اجر کی امید رکھو۔ یقیناً اللہ تمہارے لیے اور تمہارے کمزور ساتھیوں کے لیے نجات کا راستہ بنانے ہی والا ہے، ہم نے قوم کے ساتھ صلح کی ہے اور ان کے ساتھ عہد و پیمان کیا ہے اب ہم عہد شکنی نہیں کریں گے۔ سُبحان اللہ سُبحان اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ایفائے عہد نے صحابہ کے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا لیکن ادب سے کسی نے کچھ بھی نہیں کہا (حوالہ سیرت ضیاء النبی پیر کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ جلد 4 / صفحہ 153 / سیرت خاتم النبین جلد 2 / صفحہ 852)۔

وعدہ کی پاسداری:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، یہ جب ایمان لا چکے تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں بے چین تھے، مکہ سے مدینہ آ رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے راستے میں ابو جہل اور اس کے لشکر سے ملاقات ہوگئی تو پکڑ لیا چوں کہ اسلام و کفر کی سب سے پہلی جنگ بدر کی تیاری کر کے لشکر لے کر ابو جہل مدینے کی جانب آ رہا تھا۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو، تو آپ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روئے زیبا دیکھنے، وہ نہ مانا کہا تم جنگ میں جا رہے ہو، انہوں نے کہا نہیں ہم وعدہ کرتے ہیں جنگ میں حصہ نہیں لیں گے، حضور کی زیارت کریں گے، ابو جہل نے

وعدہ کروا کر چھوڑ دیا، آپ مدینہ آئے، جنگ کی تیاریاں شباب پر تھیں، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واقعہ بتا دیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ بدر میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی۔ فرمایا تم وعدہ کر کے آئے ہو اور اسی شرط پر ابو جہل نے رہا کیا ہے لہٰذا اس پہلی جنگ میں تمہیں میں اجازت نہیں دیتا، وعدہ کی پاسداری کرو اسلام میں اس کی سخت تاکید ہے۔ (الاصابۃ جلد 1 / صفحہ 316) اور اس اعلیٰ وصف (وعدہ پر) عمل کرنے والے کے لیے جنت کی اعلیٰ قسم جنت فردوس کی خوشخبری ہے اور عہد پورا کرنے کو مومن کا وصف بتایا گیا ہے ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ (9) أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ (10) الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ} [المؤمنون: 9-11]

اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد (وعدہ) کی رعایت کرتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں یہی لوگ وارث ہیں کہ فردوس (جنت) کی میراث پائیں گے وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

عام طور پر لوگ عہد کے معنی صرف قول و قرار کو سمجھتے ہیں، اسلام میں اس کے معنی بہت وسیع ہیں ۔یہ حقوق اللہ ،حقوق العباد، معاشرت، تجارت اور اخلاق و معاملات کی ان تمام صورتوں کو محیط (گھیرے ہوئے) ہے جس کی پابندی انسان پر عقلاً ،شرعاً اور اخلاقاً فرض ہے۔ امام قرطبی الجامع الاحکام القرآن جلد 12 / صفحہ 107 میں فرماتے ہیں:

امانت وعہد دینی و دنیاوی معاملے پر حاوی ہے چاہے وہ قولی ہو یا فعلی، اور جس کا پابند اور متحمل ہو۔ علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ میں فرماتے ہیں: یہ آیت مبارکہ اکثر مفسرین کے نزدیک ہر قول و قرار کے لیے عام ہے، چاہے وہ اللہ اور بندے کے مابین ہو یا دو انسانوں کے درمیان ہو۔ تفسیر روح المعانی جلد 18 / صفحہ 11

وعدہ نبھانے والا اللہ کا محبوب اور مقرب بندہ بن جاتا ہے، جس شخص سے معاہدہ ے چاہے وہ

کافر ومشرک ہی کیوں نہ ہو اگر وہ وعدہ خلافی نہ کرے تو اس کے لیے وعدہ کی پابندی واستواری اور اس کا پاس ولحاظ رکھنا ضروری ہے اور یہی تقوے کا تقاضا بھی ہے۔ مولاے رحیم وکریم فرماتا ہے:

{كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ} [التوبة: 7]

ان مشرکین کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی عہد آخر کیسے ہو سکتا ہے، بجز ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا تو جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو، کیوں کہ اللہ متقیوں کو پسند فرماتا ہے۔ ایک جگہ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{بَلَى مَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ وَاتَّقَى فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ} [آل عمران: 76]

جو بھی اپنے عہد (وعدہ) کو پورا کرے گا اور برائی سے بچ کر رہے گا وہ اللہ کا محبوب بنے گا کیوں کہ پرہیزگار لوگ اللہ کو پسند ہیں۔

عہد کے بارے میں پوچھ گچھ ہونا ہے:

{وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا} [الإسراء: 34]

اور عہد پورا کرو بے شک عہد سے سوال ہونا ہے اللہ سے وعدہ پورا کرو اور بندوں سے بھی۔

پیارے اسلامی بھائیو وبہنو! متذکرہ بالا آیتوں اور حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایفاے عہد یعنی وعدہ پورا کرنا اللہ کی خوشی ومسرت اور محبت ورضامندی کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے بندے کے لیے عظیم انعام واعزاز ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی اکرام نہیں۔ اللہ ہم تمام اہل ایمان کو عہد (وعدہ) کی اہمیت سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

❁❁❁

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تحفۂ معراج

سفر معراج حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وہ عظیم معجزہ ہے، جس پر انسانی عقل آج بھی حیران ہے۔ آنِ واحد میں مسجدِ حرام سے بیت المقدس و سدرۃ المنتہیٰ تک لمبی مسافت طے ہوجاتی ہے۔ قرآن کریم اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

{سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ } [الإسراء: 1]

ترجمہ: (ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک۔ بابرکت بنا دیا ہم نے گرد و نواح کو تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔ بے شک وہی سب کچھ سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

اس آیتِ مقدسہ پر غور کریں تو شکوک وشبہات کے تمام راستے خود بخود بند ہوجاتے ہیں۔ کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ عقلی اور نقلی سوالات ایک دم ختم ہوجاتے ہیں۔

قرآن کریم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس عظیم معجزہ کو جس مخصوص انداز سے بیان کیا ہے اس میں غور کرنے کے بعد عقلِ سلیم کو بلا چوں و چراں ماننا پڑتا ہے کہ یہ واقعہ جس طرح قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہے وہ بالکل سچ ہے، اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک رات خانۂ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما رہے تھے کہ جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوئے اور نیند سے بیدار کیا اور ارادۂ خداوندی سے آگاہی بخشی۔ حضور اٹھے، چاہِ زم زم کے قریب لائے گئے۔ سینۂ مبارک چاک کیا گیا، قلب اطہر میں ایمان وحکمت سے بھرا ہوا طشت انڈیل دیا گیا اور پھر سینۂ مبارک کو درست کر دیا گیا۔ حضور حرم سے باہر تشریف لائے تو سواری کے لیے براق پیش کیا گیا۔ اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔ حضور مسجدِ اقصیٰ میں تشریف لے گیے، جہاں تمام انبیاے سابقین حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے چشم براہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اقتدا میں سب نے نماز ادا کی پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آگے بڑھے اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو انوارِ باری تعالیٰ کی تجلی گاہ تھی، جس کی کیفیت الفاظ میں نہیں لکھی جا سکتی یا بیان کی جا سکتی ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت اور اس کی شان کبریائی پر ایمان رکھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ کا سچا رسول مانتے ہیں، ان کے لیے تو واقعۂ معراج کی صداقت پر قرآن کی آیتوں کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

واقعۂ معراج کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اللہ نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو زمین وآسمان بلکہ ان سے بھی ماورا اپنی قدرت وکبریائی کا مشاہدہ کرایا۔ حضور فرماتے ہیں: میں نے بے شمار چیزوں کا مشاہدہ کیا، یہاں تک کہ جنت ودوزخ کا مشاہدہ کیا۔

جنت میں پیڑ لگائیں:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: میں آگے بڑھا، ساتویں آسمان پر اپنے جدِ امجد حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر آپ نے اپنے فرزند محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آپ کی امت کے لیے یہ پیغام دیا: اپنی امت کو حکم دیجیے کہ جنت میں بکثرت پودے لگائیں کیوں کہ وہاں کی مٹی بڑی پاکیزہ ہے اور وہاں کی زمین بہت وسیع ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ جنت میں کون سے پودے لگانے کے

قابل ہیں۔آپ نے جواب دیا:''لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم''یعنی اس کلام سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کیا کرو۔یعنی میرے پاس نہ کوئی طاقت ہے نہ قوت بجز اللہ کی ذات کے جو بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔دوسری روایت میں یہ ہے کہ اپنے فرزند محمد ﷺ سے فرمایا: اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہیے اور انہیں بتائیے کہ جنت کی مٹی بہت پاکیزہ ہے، وہاں کا پانی بہت میٹھا ہے اور وہاں جو پودے لگانے چاہیے وہ کلمات یہ ہیں:

''سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر''

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر شریک اور ہر عیب سے پاک اور منزہ ہے۔اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور کوئی عبادت کے لائق نہیں، سوائے اللہ تعالیٰ کے اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔(سیرت الرسول ضیاء النبی جلد ۲، صفحہ ۵۲۹، سبل الھدیٰ صفحہ ۲۶، انسان العیون جلد اول، صفحہ ۳۷۹)

بے عمل خطیبوں کا حال:

آپ آگے بڑھتے رہے۔سلسلہ جاری رہا پھر یہ ہیبت ناک منظر دکھائی دیا کہ قینچی کے ساتھ ایک قوم کی زبانیں اور ان کے ہونٹ کاٹے جا رہے ہیں اور وہ زبانیں اور ہونٹ کٹنے کے بعد پھر جوں کے توں ہو جاتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔حضور ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی: یہ حضور کی امت کے فتنہ باز خطیب ہیں جو دوسروں کو کہتے ہیں اس پر عمل خود نہیں کرتے (سبل الھدیٰ جلد ۳، صفحہ ۱۱۷، سیرت الرسول ضیاء النبی جلد ۲، صفحہ ۵۰۸)

نماز مومن کی معراج اور خدائی تحفہ:

قاعدہ ہے کہ جب آنے جانے والا کسی کے گھر جائے تو کوئی نہ کوئی تحفہ لینا دینا ہوتا ہے۔جب حضور ﷺ قاب قوسین سے زیادہ قرب پر فائز ہوئے تو رب العزت نے اپنے محبوب کو نماز کا تحفہ عطا فرمایا۔نماز مومنین کے لیے بارگاہِ خداوندی کا ایک عظیم تحفہ ہے، جو سید عالم

ﷺ کی معراج کے طفیل مسلمانوں کو عطا کیا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

"الصلاۃ معراج المؤمنین" (نماز مومنین کی معراج ہے۔

کاش کہ مسلمان اس عظیم تحفہِ ربانی کی دل و جان سے قدر کرتے اور نماز کی ادائیگی میں پوری پوری کوشش کرتے تو آج یہ بدحالی اور ذلت و رسوائی کا منھ نہ دیکھنا پڑتا۔ نماز اسلام کا اہم رکن ہے۔ نماز افضل العبادات ہے۔ نماز تحفہِ معراج ہے۔ ایمان کے بعد شریعت کا پہلا حکم نماز ہے۔ حضور ﷺ پر اول بار جس وقت وحی اتری اور نبوتِ کریمہ ظاہر ہوئی، اسی وقت حضور ﷺ نے بہ تعلیم جبرئیل امین علیہ السلام نماز پڑھی اور اسی دن بہ تعلیم حضور اقدس ﷺ حضرت ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے پڑھی۔ دوسرے دن امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ نے حضور کے ساتھ نماز پڑھی کہ ابھی سورہ مزمّل بھی نازل نہ ہوئی تھی۔ تو ایمان کے بعد پہلی شریعت نماز ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۲، صفحہ ۱۰۸)

سفر معراج میں حضور ﷺ کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے سروں کو کاٹا جا رہا تھا۔ وہ پہلے کی طرح درست ہو جاتے۔ یہ سلسلہ لگاتار جاری تھا۔ حضور نے پوچھا؛ اے جبرئیل، یہ کون لوگ ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی، یا رسول اللہ یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نماز کی ادائیگی نہیں کرتے تھے۔ (سبل الھدیٰ جلد ۳، صفحہ ۱۱۶، سیرت الرسول ضیاء النبی جلد ۲، صفحہ ۵۰۷)

نماز نہ پڑھنے پر بہت سی وعیدیں قرآن و حدیث میں وارد ہیں۔ اور نماز پڑھنے کے بے شمار فوائد قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ نماز پڑھنے سے بے شمار برکتیں حاصل ہوتی ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔ رب العالمین اپنے حبیب پاک کے صدقہ و طفیل میں قومِ مسلم کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجارتی زندگی

اللہ رب العزت سارے جہان کا پیدا فرمانے والا اور پالنے والا ہے۔ انسان کی بے شمار ضرورتوں میں بنیادی ضرورتیں روٹی، کپڑا اور مکان ہیں۔ ظاہری بات ہے ضرورتیں پوری کرنے کے لیے انسان مختلف طریقوں سے روپے کمانے کی کوشش کرتا ہے، جس میں تجارت سب سے اعلیٰ و افضل طریقہ ہے۔ اسلام نے رزق کو حاصل کرنے کے لیے کسی خاص ذریعہ ٔمعاش کو اپنانے کا پابند نہیں بنایا ہے لیکن اس بات پر خاص زور دیا ہے کہ جو بھی پیشہ اختیار کیا جائے وہ جائز اور حلال ہو۔ حلال روزی کمانے کو اسلام عبادت قرار دیتا ہے۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ[المعجم الكبير للطبرانی 10/ 74]

یعنی فرائض (نماز، روزہ، زکوٰۃ، وغیرہ) کے بعد حلال کی کمائی حاصل کرنا بھی ایک فریضہ اور عبادت کی حیثیت رکھتا ہے۔

دوسری حدیث میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی انسان نے اس سے بہتر روزی نہیں کھائی، جو خود اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتا ہے، نبی داوٗد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھوں سے کام کر کے روزی کھایا کرتے تھے۔ (بخاری، حدیث ۲۰۶۷)

روزی تلاش کرنے کا حکم قرآن مجید میں بھی ہے اور حدیث پاک میں بھی ہے۔ حدیث

ملاحظہ فرمائیں:

طَلَبُ الْحَلَالِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ [المعجم الأوسط 272/8]

کسب معاش کی اہمیت اور فضیلت اس سے معلوم ہوتی ہے کہ ہر نبی نے کوئی نہ کوئی تجارت فرمائی۔تجارت کو افضل ذریعہ معاش قرار دینے میں سب بڑی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بہ نفس نفیس تجارت فرمایا ہے۔آپ ﷺ نے ساجھا (کاروبار میں حصہ لینا) میں بھی تجارت کی،اور مضاربت (نفع میں کسی کو تجارت کے لیے مال دینا اور لینا) بھی تجارت فرمائی، جسے آج FRANCHISE کہتے ہیں (ہمارا مال لیجیئے ہم اتنا حصہ آپ کو دیں گے وغیرہ وغیرہ)۔

اعلان نبوت سے قبل حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے لیے حضور نبی کریم ﷺ نے مضاربت کی بنیاد پر تجارت فرمائی۔اسی طرح حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساجھا برابر کی حصہ داری میں تجارت فرمائی۔حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں زمانۂ جاہلیت میں محمد (ﷺ) کا شریک تجارت تھا۔میں جب مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ”مجھے پہچانتے ہو؟ عرض کیا: کیوں نہیں؟ آپ تو میرے بہت اچھے شریک کار تھے نہ کسی بات کو ٹالتے اور نہ کسی پر جھگڑا کرتے۔(خصائص کبریٰ ج اول، ص ۱۹۱،اسدالغابہ:ص،۵۲،۲۳۱)

کسب معاش کی بہت سی صورتیں ہیں۔جائز طریقے سے رزق حاصل کرنے کو اللہ نے افضل فرمایا ہے۔قرآن مجید ہے:

{فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ} [الجمعة: 10]

ترجمہ: پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق)

تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کے رزق کی تلاش میں لگ جاؤ، یہ تمہارے لیے حلال ہے۔عراک بن مالک رضی اللہ عنہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور یہ دعا پڑھتے:

اے اللہ میں نے تیری آواز پر حاضری دی اور تیری فرض کردہ نماز ادا کی پھر تیرے حکم کے مطابق اس مجمع سے اٹھ آیا، اب تو مجھے اپنا فضل ''رزق'' نصیب فرما، تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے'' (ابن ماجہ ابی حاتم)

اس آیت کے پیش نظر بعض مفسرین وسلفِ صالحین نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد خرید وفروخت کرے، اللہ تعالیٰ ستر حصے زیادہ برکت دے گا۔قرآن کریم نے مال کو ''خیر'' (سورہ البقرہ آیت ۲۱۵) اور ''فضل'' (سورہ جمعہ، آیت، ۴) سے تعبیر کیا جس کے معنیٰ اچھی اور بھلی چیز کے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں تم کو مناسب مال حاصل ہو جائے ،انھوں نے کہا؛اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم !میں مال کے لیے مسلمان نہیں ہوا۔ میں اپنی قلبی رغبت سے مسلمان ہوا ہوں ،آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: صالح آدمی کے لیے صالح یعنی مال حلال بہت بہتر شئی ہے ۔مسند احمد حدیث ۱۷۳۰۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: دیانت دارانہ تجارت میں اللہ کی مدد ہے، تجارت کے مقاصد میں صرف منافع کمانا ہی مقصد نہ ہو بلکہ لوگوں سے اخلاق ومحبت اور خندہ پیشانی سے پیش آئے تاکہ دوسروں کے دل میں آپ کی عزت ومحبت بھی قائم ہو اور وہ آپ کی بات کو مانے تاکہ آپ اسلام کی خوبیوں کو بھی دوسروں تک پہنچا سکیں۔ ایمان دارانہ طریقے سے تجارت کرنے پر اللہ رب العزت نے بے حساب رزق دینے

کا وعدہ فرمایا ہے۔

امانت داری ایمان کی علامت ہے:

آج غیر قومیں اور بڑی بڑی کمپنیاں خواہ کارپوریٹ جگت ہو یا انڈسٹریل جگت ہو یا الکٹرانک شعبہ ہو یا سول بلڈرس ہوں وغیرہ وغیرہ جدھر نظر دوڑائیے ان کا بول بالا ہے آج کی تعلیم میں بہت سی باتیں اسلامی اصولوں پر پڑھائی جاتی ہیں مذہب اسلام کی تعلیم امانت داری، معاہدوں کی پابندی کر کے گراہکوں کے دلوں پر اپنی دھاک بٹھا کر یہ کمپنیاں اپنا لوہا منوا چکی ہیں مسلمانوں کو بھی نبی کریم ﷺ کی سنت و اسلامی طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے تبھی تو رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر آپ پورے اتریں گے۔حضور نبی رحمت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

التجار الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین:

ترجمہ: سچا اور دیانت دار تاجر (جنت میں) انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کے ساتھ ہو گا۔اسلام میں تجارت اور صنعت وحرفت کے بہت فضائل ہیں لیکن یہ تمام فضائل اسی تاجر کے لیے ہیں، جو اسلامی اصول اور حضور نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر تجارت کرے۔دھوکا دینے والا مسلمان نہیں۔ دھوکا دینا اور جھوٹ بولنا انتہائی گری ہوئی بات مانی جاتی ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ دھوکا دینے والا خود اپنے کو ہی دھوکا دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مسلمانوں کو دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں۔(الترغیب والترھیب رواہ بخاری، ومسلم)۔

(یعنی مسلمان کہلانے کے لائق نہیں) لہذا مسلمان تاجروں کو غبن اور فراڈ سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ایسا کرنے سے تاجر کی سچائی اور ایمان داری کا چرچا ہو جاتا ہے۔اور سب

سے بڑی بات اللہ کی رحمت اور برکت شامل ہو جاتی ہے اللہ کے رسول نے فرمایا: حلال گرچہ قلیل ہے مگر اس میں برکت ہے۔

مال بیچنے کے لیے جھوٹ نہ بولیں:

رب تبارک وتعالیٰ نے جھوٹوں پر لعنت فرمایا ہے:

{لَّعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ} [آل عمران: 61]

جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تاجر لوگ گناہ گار اور فاجر ہیں۔صحابۂ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: کیا کاروبار کو اللہ نے حلال نہیں کیا؟ فرمایا: کاروبار بالکل حلال ہے لیکن اکثر تاجر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور اپنی چیز کے بارے میں جھوٹی جھوٹی باتیں بیان کر تے ہیں، اس طرح اکثر گناہ گار ہو جاتے ہیں۔معاذ اللہ ثم معاذ اللہ (مفہوم حدیث) (الترغیب والترہیب راواہ احمد)

ناپ تول میں کمی کرنا اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے:

آج ہمارے معاشرے میں ان گنت برا ئیاں گھر کر چکی ہیں۔ایک دو ہوں تو گنایا جا سکے دو چار ہوں تو اس کا رونا رو یا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے آنے کا مقصد یہ بھی بتایا ہے کہ میں نے انصاف کے ترازو کے ساتھ رسولوں کو بھیجا اور یہ بھی فرمایا:

{ أَلَّا تَطۡغَوۡا فِي الۡمِيزَانِ (8) وَأَقِيمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِيزَانَ} [الرحمن: 9،8]

ترجمہ: کہ ترازو میں بے اعتدالی نہ کرو، اور انصاف کے ساتھ تول قائم کرو اور وزن نہ گھٹاؤ۔(کنزالایمان)

اور کم تولنے والوں کو آگاہ فرمایا:

{وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِينَ (1) الَّذِينَ إِذَا اكۡتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُونَ (2) وَإِذَا كَالُوهُمۡ أَوۡ وَّزَنُوهُمۡ يُخۡسِرُونَ} [المطففین: 1-3]

ترجمہ: کم تولنے والوں کی خرابی ہے، کہ وہ جب اوروں سے ناپ لیں پورا لیں اور جب انھیں ناپ تول کر دیں کم کر دیں۔

احادیثِ کریمہ میں بھی وعید موجود ہے۔ چناں چہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے، اس وقت اہل مدینہ ناپ تول کے اعتبار سے بہت برے تھے۔ جب یہ آیت اتری تو پھر انھوں نے ناپ تول بہت درست کر لی۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بھی کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرنے کے مرض میں مبتلا ہوتی ہے تو ان پر قحط سالی کا عذاب آتا ہے۔ (ابن ماجہ)

اپنے اردگرد نظر دوڑائیں، حالات کیا ہیں سوچیں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان آج حرف بحرف سچ ثابت ہو رہا ہے۔

تجارت اللہ کو پسند ہے:

رزق حلال کمانے کے جو بھی راستے ہیں اللہ کو پسند ہیں۔ جو شخص اپنے اہل وعیال کا پیٹ پالنے کے لیے محنت کرتا ہے وہ اللہ کے راستے میں ہے، اور جو شخص اپنے بوڑھے والدین کا پیٹ پالنے کے لیے محنت کرتا ہے اور حلال کمائی کماتا ہے تا کہ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرنا پڑے وہ بھی اللہ کے راستے میں ہے (طبرانی، الترہیب والترغیب حدیث ۳۳۵)

انبیا علیہم السلام نے بھی تجارت کا پیشہ اختیار فرمایا (۱) حضرت آدم علیہ السلام زراعت کیا کرتے تھے (۲) حضرت ادریس علیہ السلام سلائی کا کام کیا کرتے تھے (۳) حضرت داؤد علیہ السلام زرہیں بنایا کرتے تھے۔ بہت سے انبیائے کرام نے بکریاں چرائیں۔ آقا علیہ السلام نے بذات خود تجارت کی۔

مذہب اسلام میں کسب معاش کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے۔آج کل مسلمان قوم تجارت میں بہت پیچھے ہیں اور جو ہیں بھی وہ اسلامی ہدایات اور حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کے زریں اصولوں کو جانتے ہی نہیں اور اگر جانتے ہیں تو عمل نہیں کرتے۔مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے نبی ﷺ کی تجارت کی تعلیم کا مطالعہ کریں اور اسلامی ہدایات پر سختی سے عمل کریں۔ان شاء اللہ ضرور کامیابی قدم چومے گی۔

رزق کے دس حصے ہیں نو حصے تجارت میں ہیں:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ہنر مند و پیشہ والے مسلمان کو خدائے تعالیٰ دوست رکھتا ہے اور آپ نے فرمایا: ایمان دار تاجر قیامت کے دن صدیقین وشہدا کے ساتھ اٹھایا جائے گا، پیشہ ور لوگوں کی کمائی سب چیزوں سے حلال ہے اگر وہ آپ ﷺ کی نصیحت بجا لائے (عمل کرے) حضور نے فرمایا: کہ تجارت کرو کیوں کہ رزق کے دس حصے ہیں نو حصے فقط تجارت میں ہیں۔حدیث پاک میں ہے: جو شخص اپنے اوپر سوال (بھیک) کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر مفلسی کے ستر دروازے کھول دیتا ہے۔

افسوس آج بھیکاریوں کی جتنی تعداد مسلمانوں میں ہے کسی دوسری قوم میں نہیں۔روزی کمانا انسان پر فرض ہے، متقیوں کے نزدیک رزق حلال کا حصول ایمان کا حصہ ہے۔معاشی تنگی ،وقار وعزت کے لیے سیاہ دھبہ ہے۔مسلمانوں میں تجارت سے غفلت انتہائی فکر کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے پھل، میوے اور کھانے پینے کی چیزیں مہیا فرمائیں۔اور اللہ ان کو بھی رزق دیتا ہے جن کو تم نہیں دیتے یعنی پرندے وغیرہ و دیگر حیوانات سب کو اللہ روزی دیتا ہے۔رحموں میں جو بچے ہوتے ہیں وہ ان کو بھی روزی دیتا۔آخرت کے لیے اچھی زندگی گزارنے کے واسطے بھی مال کا ہونا ضروری ہے تاکہ اللہ کی مخلوق پر اور اپنے بال بچوں پر خوش دلی سے خرچ کیا جائے۔اللہ کی خوشنودی حاصل کی جائے۔آج مسلمانوں میں سب

سے زیادہ بے روزگاری ہے، مسلمانوں کے لیے نوکری کا دروازہ ہی بند ہوگیا، مسلمانوں کو چاہیے کی تجارت میں دلچسپی لیں کیوں کہ ایک تجارت میں کئی لوگوں کی ضرورت پڑتی ہے، ان شاءاللہ بے روزگاری بھی دور ہوگی اور خوش حالی بھی آئے گی۔

اللہ ہم سب کو نبی ﷺ کی سنت تجارت کو اپنانے کی توفیق دے اور ایمان داری ،محنت اور دلجمعی سے اسلامی اصولوں کے مطابق تجارت کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بحیثیت شافعِ محشر

امام الانبیاء، رحمت اللعالمین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضلِ عظیم سے سرفراز فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

{يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ} [آل عمران: 74]

ترجمہ: اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

{وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا} [النساء: 113]

ترجمہ: اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں وہ سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (کنزالایمان)

یہ شان مرتبت، جاہ وحشم خود رب العزت نے عطا فرمایا اور یہ بھی اعلان فرمایا کہ میں نے آپ کا درجہ بلند کیا اور ذکر بھی بلند کیا۔

{وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ} [الشرح: 4]

اور ہم نے تمہارا ذکر بلند کیا۔ ذکر تب ہی بلند ہوتا ہے جب انسان خود بلند ہوتا ہے اور جب خود بلند ہو بلکہ بلند کیا جائے تو پھر کیوں نہ زمین وآسمان کی ہر شے اس کی نگاہوں کے سامنے ہو، جس طرح زمین پر بیٹھنے والے فضائی مسافروں کی نظر تک نہیں پہنچ سکتے ہیں اور جس طرح جاہل وان پڑھ، پڑھے لکھوں کی آنکھ نہیں ملا سکتے، اسی طرح ان پڑھے لکھوں کی نگاہ ان

تک نہیں پہنچتی جو اللہ رب العزت کے فضل سے مستفیض ہو رہے ہیں۔محبوب رب العالمین، سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین، امام الاولین والآخرین، شفیع المذنبین، شفیع الامم ﷺ کو اللہ نے بے شمار فضائل و مراتب سے نوازا۔قرآن مجید آپ ﷺ کی تعریف و توصیف سے بھرا ہوا ہے بے شمار فضائل میں آپ کو شفیع الامم کا بھی بلند مرتبہ عطا فرمایا۔رب اللعالمین ارشاد فرما رہا ہے:

{وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا} [النساء: 64]

ترجمہ: اور اگر وہ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں پھر آپ کے پاس حاضر ہوں۔پھر خدا سے استغفار کریں اور رسول ان کی بخشش مانگے تو بے شک اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ مسلمانوں کو ارشاد فرما رہا ہے کہ گناہ ہو جائے تو نبی کی سرکار میں حاضر ہو اور درخواستِ شفاعت کرو، محبوبِ خدا تمہاری شفاعت فرمائیں گے۔تو ہم یقیناً تمہارے گناہ بخش دیں گے۔

شانِ شفیع المذنبین ورحمت اللعالمین ﷺ:

کلام الٰہی میں نبی رحمت ﷺ کی بہت سی صفات کا ذکر آیا ہے۔یہ تمام کی تمام صفات اپنی اپنی جگہ مسلم ہیں، جن کا ذکر کوئی بھی لکھے، بولے کما حقہٗ نہ بول سکتا ہے نہ ہی لکھ سکتا ہے، لیکن ان میں سب سے اہم صفت یہ ہے کہ آپ تمام عالم کے لیے رحمت ہیں۔

{وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ} [الأنبياء: 107]

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

نبی اکرم ﷺ رحمت کاملہ کی وسعت و ہمہ گیریت پر غور فرمائیں کہ آپ کی رحمت

مکان و مقام کی وسعت کے لحاظ سے پوری کائنات یہاں تک کہ روزمحشر تک کو محیط ہے۔ یہ کوئی معمولی دعویٰ نہیں اور شاید ہی پوری کائنات کی کسی اور شخصیت کے بارے میں یہ دعویٰ کیا گیا ہو۔ یہ دعویٰ جتنا بڑا ہے اسی قدر واقعہ کے مطابق بھی ہے۔ آپ کی رحمت شفاعت بن کر گناہ گاروں پر چھائی رہے گی۔ اس وقت آپ کی رحمت کا خاص پہلو ''شفاعت'' ہے جس کے کچھ پہلوؤں پر قدرے روشنی ڈالتا ہوں۔ روزمحشر جب سورج سوا نیزے پر ہوگا۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا، افراتفری، مایوسی کا عجیب عالم ہوگا۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔ الامان والحفیظ! اللہ رحم فرمائے اور مصطفی ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے (آمین)۔

خدا کا غضب وجلال پورے عروج پر ہوگا۔ اس وقت صرف آپ ہی مہربان وشفیق ہوں گے۔ جن کی دربارِ الٰہی میں سنوائی ہوگی کیوں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ اللعلمین، شفیع الامم (گناہ گاروں کی شفاعت کرنے والا بنایا) اور مقامِ محمود عطا فرما کر سارے رسولوں سے ممتاز فرمایا۔ اس دن شفاعت کی کنجی صرف آپ ﷺ ہی کے ہاتھوں میں ہوگی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جنت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے کہ میں اللہ ہوں اور میرے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے اور محمد (ﷺ) میرے رسول ہیں۔ جس نے یہ کلمہ پڑھا میں اس کو عذاب نہیں دوں گا۔ رب ذوالجلال نے حضرت آدم علیہ السلام کو وحی میں ارشار فرمایا: مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! تیری اولاد میں ہستی خاتم النبیین ﷺ ہے اور اگر یہ نہ ہوتے تو اے آدم میں تجھے پیدا نہ کرتا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن جبرئیل امین بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی بے شک آپ کا رب فرماتا ہے: اگرچہ میں نے ابراہیم کو خلیل بنایا ہے لیکن میں نے آپ کو حبیب بنایا ہے۔ میں نے آج تک کوئی چیز پیدا نہیں کی جو آپ (ﷺ) سے

زیادہ میرے نزدیک مکرم ہو۔ میں نے دنیا اور اس کے رہنے والوں کو اس لیے پیدا کیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرامت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام سے ان کو آگاہ کردوں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات نہ ہوتی تو میں دنیا کو بھی پیدا نہ کرتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حشر کے روز اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو منادی کرنے والا بلند آواز سے اعلان کرے گا کہاں ہیں محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کہاں ہے ان کی امت۔ تو میں کھڑا ہو جاؤں گا۔ میری امت میرے پیچھے پیچھے ہوگی۔ ان کی پیشانیاں اور ان کے پاؤں وضو کی وجہ سے چاند کی طرح روشن اور چمک رہے ہوں گے۔ اس کے بعد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم سب سے آخر میں آنے والے ہیں اور جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے ہیں اور ہمارا سب سے پہلے حساب ہوگا اور باقی امتیوں کو یہ حکم ہوگا وہ ہمارا راستہ صاف کریں۔ میری اور میرے غلاموں کی یہ شان اور عزت افزائی دیکھ کر باقی ساری امتیں حیران و ششدر رہ جائیں گی اور کہیں گی یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ سارے انبیا ہیں ۔ پیارے آقا، شفیع المذنبین ، رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اس حدیث مبارکہ سے اور بھی واضح اور بلند ہو جاتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب اسریٰ اپنے رب سے عرض کی ؛ رب کریم! تو نے اور انبیاء علیہم السلام کو یہ فضائل بخشے۔ رب العزت نے فرمایا:

میں نے تجھے جو عطا فرمایا وہ ان سب سے بہتر ہے۔ میں نے تیرے لیے شفاعت چھپا رکھی ہے اور تیرے سوا دوسرے کو نہ دی۔ (بیہقی شریف)

ابن ابی شیبہ و ترمذی بافادہ تحسین و تصحیح اور ابن ماجہ و حاکم بحکم تصحیح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ترجمہ: قیامت کے دن میں انبیا کا پیشوا

اوران کا خطیب اوران کا شفاعت کرنے والا ہوں اور یہ کچھ فخر کے طور پرنہیں کہتا۔اللہ نے مجھے مقامِ محمود وشفاعت عطا فرمایا ہے۔حضرت زید بن ارقم وغیرہ چودہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے راوی ہیں کہ حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:''میری شفاعت روز قیامت حق ہے ،جواس پرایمان نہ لائے گااس کے قابل نہ ہوگا''۔

ان احادیثِ پاک کے منکرین شفاعت اپنی جان پر رحم کریں اور شفاعت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں۔حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کومیدان حشر میں جمع فرمائے گا۔میں اور میری امت ایک اونچے ٹیلے پر ہوں گے۔میرا پروردگاراس دن مجھے سبز پوشاک پہنائے گا پھر مجھے لب کشائی کی اجازت دی جائے گی اورجواللہ تعالیٰ چاہے گا میں وہ کہوں گا۔

یہ مقامِ محمود ہے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورِدوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن مجھے عرش کے دائیں جانب ایسے مقام پر کھڑا کیا جائے گا جہاں کسی اور کوقدم رکھنے کی مجال نہ ہوگی۔اس وقت اولین وآخرین میرے اوپر رشک کریں گے۔

چناں چہ قرآنِ پاک میں مذکور ہے: **عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا۔ (القرآن: سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۷۹)**

ترجمہ: قریب ہے کہ تیرا رب تجھے مقامِ محمود میں بھیجے۔صحیح بخاری میں ہے کہ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا: مقامِ محمود کیا چیز ہے؟ فرمایا: وہ شفاعت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میں جہنم کا دروازہ کھلوا کرتشریف لے جاؤں گا وہاں خدا کی تعریفیں کروں گا ایسی کہ نہ مجھ سے پہلے کسی نے کیں نہ میرے بعد کوئی کرے۔پھر دوزخ سے ہراس شخص کونکال لوں گا جس نے خالص دل سے''**لا الٰہ الا اللّٰہ**'' کہا(طبرانی معجم)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا پڑھی: **اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ۔۔۔۔۔۔الخ۔**

ترجمہ: اے اللہ! اس مکمل پکار اور قائم ہونے والی نماز کے مالک! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما۔ آپ کو اس مقام محمود تک پہنچا جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے) تو اس کے لیے قیامت کے دن شفاعت حلال ہوگی۔ (سنن ابن ماجہ، جلد اول باب ما یقول فی جواب الاذان، حدیث نمبر ۷۲۲، سنن الترمذی ،۲۱۱، تحفۃ الاشراف ،۳۰۴۶، مسند احمد، ۳۵۴/۳ وغیرہ وغیرہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی (اپنی امت کے سلسلے میں) ایک دعا ہوتی ہے، تو ہر نبی نے جلدی سے دنیا ہی میں اپنی دعا پوری کر لی اور میں نے اپنی دعا کو چھپا کر اپنی امت کی شفاعت کے لیے رکھ چھوڑا ہے، تو میری شفاعت ہر اس شخص کے لیے ہوگی، جو اس حال میں مرا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا رہا۔ (سنن ابن ماجہ، جلد پنجم، باب شفاعت کا بیان، حدیث نمبر ۴۳۰۷، صحیح مسلم، الایمان ۸۶/۱۹۹، سنن ترمذی ۳۶۰۲، صحیح البخاری ۶۳۰۴ تحفۃ الاشراف ۱۲۵۱۲، مسند احمد ۲/۲۷۵، سنن الدارمی ۲۸۴۷ وغیرہ وغیرہ) اسی مضمون کی اور حدیثیں سنن ابن ماجہ میں حدیث نمبر ۴۳۰۷، ۴۳۱۷ وغیرہ میں موجود ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شافع محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: روز محشر تمام لوگوں سے پہلے میں مرقد انور سے باہر نکلوں گا، جب لوگ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے جائیں گے تو اس خاص وقت میں ان سب کا قائد ہوں گا جب لوگ مہر بلب ہوں گے۔ اس وقت میں ان کا خطیب ہوں گا۔ جب انہیں روک دیا جائے گا اس وقت میں ان کی شفاعت کروں گا اور جب وہ مایوس ہوجائیں گے اس وقت میں ان کو مغفرت کی خوشخبری

سناؤں گا۔اس دن ساری عزتیں اور سارے خزانوں کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی۔حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا۔روزِ محشر بارگاہِ الٰہی میں خدا کے دربار میں حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد میں،ہی زیادہ محترم ومکرم اور شان والا ہوں گا۔اس دن ایک ہزار خادم میری خدمت کے لیے جنت میں دست بستہ حاضر ہوں گے۔وہ خادم اتنے زیادہ خوبصورت ہوں گے جسے چھپائے ہوئے انڈے ہوں یا چمکتے اور بکھرے ہوئے موتی ہوں۔برادرِ گرامی اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا حسن رضا خاں فرماتے ہیں:

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزمِ محشر کا
کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

شفاعت،رحمت اور مقام محمود کی بے شمار احادیث موجود ہیں۔خوش عقیدہ مسلمان کے لیے اتنی ہی کافی ہیں۔اور جو منکرین شفاعت ہیں،اللہ انہیں ہدایت نصیب فرمائے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظامِ عدل ومساوات

آقائے نعمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔رسالت کا سلسلہ آپ کی ذات پر ختم ہوتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والانہیں ہے۔سارے عالم کے مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے۔وہ شخص بڑا ہی بدنصیب ہے جو اس عقیدے سے منحرف ہو یا اس پر ایمان نہیں رکھتا۔

ہر سال ساری دنیا میں بڑے جوش وعقیدت ومحبت کے ساتھ ماہ ربیع الاول میں جشن عید میلا دُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہتمام کیا جاتا ہے۔اہل ایمان جشن آمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہتمام کرتے ہیں۔سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سننے اور سنانے کی بھی کوشش کی جاتی ہے۔بڑے پیانے پر جلوس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ہر خوش عقیدہ مسلمان اپنی سمجھ بوجھ اور حیثیتکے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی وابستگی اور عقیدت کا اظہار کرتا ہے۔

مصطفی جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق ومحبت کا اظہار یقیناً جذبۂ ایمانی کی نشانی ہے اور یہ مسلمان ہونے کا فطری تقاضا بھی ہے۔لیکن اس حقیقت کو جاننے اور عام کرنے کی ضرورت ہے کہ آخر خالق کائنات نے انبیا علیہم السلام کو کیوں مبعوث فرمایا؟ انبیا علیہم السلام نے دنیا میں کیا کام انجام دیے؟ انبیا علیہم السلام کے بعد مسلمانوں کی کیا ذمہ داری ہے؟۔خدائی نمائندے یعنی رسولان عظام اور پیغمبران حق ،جن مقاصد کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوئے ،ان میں اہم ترین مقصد

قیام عدل بھی تھا اور ہے۔

چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: {لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ} [الحدید: 25]

ترجمہ: بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب عدل اور ترازو کو نازل کیا کہ وہ لوگوں میں انصاف قائم کریں۔

حضرت امام راغب اسفہانی (503ہجری) اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''المفردات'' میں عدل کا لغوی مفہوم بیان کرتے ہیں: ''سب کے ساتھ برابر کا معاملہ کرنا۔

قران میں فرمایا گیا: { وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ (7) أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ (8) وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ} [الرحمن: 7-9]

اللہ نے آسمان کو بلند کیا اور قیام عدل کے لیے میزان (ترازو) رکھا کہ ترازو (انصاف میں) بے ایمانی نہ کرو۔

اس آیت پر غور کریں تو یہ بات بہ خوبی واضح ہو جاتی ہے کہ رسولوں کی آمد کا مقصد دنیا میں عدل و مساوات اور برابری قائم کرنا ہے۔ ظلم وزیادتی اور استحصال کو ختم کرنا ہے، دنیا سے ناانصافی کا خاتمہ کرنا اور تمام انسانوں کو حق اور انصاف کے تحت زندگی گزارنے کا طریقہ بتانا، ظلم واستحصال اور ظلم وتشدد کے خاتمے کے لیے اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب کی حکمتوں کو نافذ کرنا ہے۔

دنیا میں امن وسکون محض خواہش اور تمنا سے قائم نہیں ہوسکتا، دنیا سے ظلم واستحصال اور جبر وتشدد کا خاتمہ انسانی عقل و دماغ کی بنیاد پر بھی نہیں ہوسکتا، انسانوں کے بنائے ہوئے اصول وضوابط، انسانوں کے بنائے منصوبے دنیا میں امن وسکون کی فضا قائم نہیں کر سکتے۔ اگر انسان چاہتا ہے کہ اُسے چین وسکون میسر آئے اور ظلم وزیادتی کا خاتمہ ہو اور عدمِ مساوات دور

ہوتو پھراس کا ایک ہی حل ہے اور وہ یہ ہے کہ خالق کائنات کی ہدایت پر مکمل پیروی کی جائے تو حضور سرور کائنات ﷺ کی سیرت پر عمل کیا جائے رب کریم کا حکم ہے سورۂ صف آیت نمبر 9/ (ترجمہ کنز الایمان) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ضابطۂ ہدایت اور دین حق دے کر اس فرض کے لیے بھیجا ہے کہ وہ ہر دین کے معاملے میں اسے غالب کرے۔اس آیت میں مزید واضح انداز میں اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ روحی فداہٗ ﷺ کی بعثت (بھیجنے) کا مقصد دین حق کا قیام، عدل (انصاف کا) کا نظام قائم کرنا۔

رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں عدل وانصاف اور مساوات کی مثالوں کا نظارہ کرنے کے لیے رسول پاک ﷺ کی سیرت کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیے یہاں سیرت کے خزانے سے بڑا پیارا واقعہ حاضر خدمت کرتا ہوں۔

غزوۂ بدر کے موقع پر رسول پاک ہاشمی وقار ﷺ صحابہ کی صفیں درست کر رہے ہیں آپ کے دست مبارک میں لکڑی کی ایک چھڑی ہے ایک صحابی صف میں برابر نہ تھے آپ نے اُنہیں چھڑی سے بغل میں کچوکا لگایا تاکہ وہ برابر ہو جائیں۔وہ معلم عدل و انصاف جب بیمار ہوئے تو آپ نے اعلان عام کیا کہ اگر کسی کا مجھ پر کوئی حق ہو تو وہ مجھ سے لے لے وہ صحابی جن کو حضور ﷺ نے صف سیدھی کرنے کے لیے کچوکا لگایا تھا آئے اور کہا یا رسول اللہ! بدر کے روز آپ نے مجھے لکڑی سے کچوکا لگایا تھا جس سے مجھے تکلیف ہوئی تھی میں اسکا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔حضور نے فرمایا میں حاضر ہوں بدلہ لے لو، صحابی نے کہا جس وقت آپ نے مجھے کچوکا لگایا تھا میرے جسم پر کرتا نہیں تھا، میں آپ سے اسی انداز میں بدلہ لینا چاہتا ہوں۔حضور ﷺ نے کُرتا اُٹھا کر پہلو اور پشت (پیٹھ) مبارک اس پر پیش کی۔اس صحابی نے بے تابانہ بڑھ کر پشت مبارک اور مہر نبوت شریف کو بوسہ دیا اور کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں تمنا یہ تھی کہ زندگی میں ایک بار

آپ کی مہر نبوت شریف کو بوسہ دیکر سامان آخرت کروں۔

اس عاشق رسول کی تمنا تو کچھ اور تھی مگر قربان جایئے عدل و مساوات کے معلم حقیقی محمد ﷺ کی تعلیم اور نمونۂ عمل پر کہ حالت علالت میں ایک شخص کو اس کا حق دینے کے لیے جسد مبارک کو پیش فرما دیتے ہیں۔عدل اسلامی و مساوات حقیقی کی اس عملی تصویر سے ہی اسلامی اصولوں کی ترتیب ہے۔اسلامی عدل کے ترازو میں تمام انسانوں کو مساویانہ حق ہے۔کسی شریف کی شرافت اور کسی غیر شریف کی رذالت اسے عدل اسلامی سے محروم نہیں کرتی کسی کمزور کی کمزوری اور کسی قوی کی قوت (طاقت) اسلامی عدل پر اثر انداز نہیں ہوتی۔آقا ﷺ کا عدل ایسا غیر متعصب ترازو ہے جو اپنے فرائض میں کسی سے غفلت اور کسی کی رعایت نہیں کرتا۔

ممتاز مفسر قرآن علامہ شہاب الدین الوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ’’تفسیر روح المعانی‘‘ میں آیت عدل پارہ 14 ر سورہ نحل کی آیت نمبر 90 ر کی تفسیر نہایت جامع انداز میں تحریر فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں (1) عدل اُمّ الفضائل عمل ہے (2) عدل مساوات (برابری کا) دوسرا پہلو یا نام ہے (3) عدل دراصل ظلم کی ضد ہے یعنی اگر عدل ہو تو ظلم کا خاتمہ یقینی ہے۔عدل وانصاف کے موضوع پر کلام کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں علما کی بڑی تعداد کا یہ قول ہے کہ اگر قرآن مجید میں صرف یہی آیت نازل ہوتی تو ہدایت کے واسطے کافی ہوتی ’’**اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ**۔الخ اسی لیے اس آیت کریمہ کی اہمیت کے پیش نظر خلیفۂ راشد سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے خلیفہ عبد الملک نے دریافت کیا؛ عدل کا کیا مفہوم ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ عدل کی چار شکلیں ہیں (۱) فیصلہ کے وقت کا عدل جیسا کی رب تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تم فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کرو۔ (2) گفتگو کے وقت کا عدل جیسا کہ رب کا ارشاد ہے جب تم بات کرو تو عدل کے ساتھ بات

کرو۔(3)عدل فدیہ کے مفہوم میں جیسا کے ارشاد رب العالمین ہے اس (انسانی نفس) کے عوض کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا (4)عدل فی الشّرک جیسا کی رب نے فرمایا: منکرین اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔رب اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

کوئی کیسا ہی دوست یا قریبی کیوں نہ ہو اہل ایمان کے انصاف کا ترازو اسے اگر مجرم قرار دیتا ہے تو قرار واقعی سزا پائے گا جیسا کی خیر القرون میں اور اس کے بعد بھی ہوا ہے حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں اور یہود کے نزاع (لڑائی) میں یہودی کے حق میں فیصلہ دیا اس فیصلہ پر قرآن میں آیت مبارکہ نازل ہوئی سورہ نساء آیت نمبر 60,59 (ترجمہ کنزالایمان)

کیا نہیں دیکھا آپ نے ان کی طرف جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس کتاب پر جو آپ پر اُتری اور جو پہلے کتابیں اُتریں اس کے باوجود چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرانے کے لیے اپنے (مقدمات) شیطان (طاغوت) کے پاس لے جائیں حالانکہ اُنہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کو نہ مانیں اور شیطان تو چاہتا ہی ہے کہ اُنہیں دور بہکا دے اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کی اُتاری ہوئی کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے منھ موڑ کر پھر جاتے ہیں۔

تفسیر نور العرفان جلد اول صفحہ 138/ میں صاحب تفسیر فرماتے ہیں: بشر نام کا ایک منافق کا ایک یہودی سے جھگڑا تھا یہودی نے کہا چلو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس چل کر فیصلہ کرائیں منافق (نام کا مسلمان) بولا چلو کعب ابن اشرف کے پاس جو یہودی عالم تھا اس سے فیصلہ کرائیں یہودی نے کعب ابن اشرف کو جج (Judge) ماننے سے انکار کر دیا کیوں کہ وہ رشوت خور تھا مقدمہ بارگاہ نبوی میں پیش ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ بشر نامی منافق اس فیصلے پر راضی نہیں ہوا پھر یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ مقدمہ لائے یہودی عرض کیا کہ بارگاہ نبوی میں میرے حق میں فیصلہ ہو چکا ہے بشر اس فیصلے پر راضی

نہیں ہوا اور آپ کے پاس مقدمہ لایا ہے اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کردیا اور فرمایا جو مصطفیٰ ﷺ کے عدل (فیصلہ) سے راضی نہ ہو اس کا فیصلہ یہ ہے، اس پر یہ مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (1) اس سے یہ معلوم ہوا کہ منافق کُھلے کافروں سے بدتر ہیں (2) دوسرے یہ کہ حضور کے فیصلے کی اپیل کسی اور جگہ نہیں ہوسکتی ہے حضور ﷺ کا فیصلہ رب کا فیصلہ ہے حضور ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ ہونا کفر ہے اور وہ شخص مرتد و واجب القتل ہے کیوں کہ وہ دکھاوے کا مسلمان تھا اب مرتد ہوگیا۔ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی آمد کا مقصد ہی بیان فرمایا کہ انصاف کا ترازو دے کر ہم نے محمد عربی ﷺ کو مبعوث فرمایا سورہ مائدہ آیت نمبر 7/ (ترجمہ کنزالایمان) انصاف کرو وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

عید میلاد النبی ﷺ کا موقع ہر سال اُمت مسلمہ کو اپنی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کرتا ہے مسلمانوں کو سب سے پہلے اپنی ذاتی و نجی زندگی میں سرورِ کائنات کی سیرت کی مکمل پیروی اختیار کرنی چاہیئے اپنے اجتماعی معاملات کو مکمل طور پر شریعت کی روشنی میں طئے کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اس طرح دنیا کے سامنے اسلام کے ایک مکمل نظام ہونے کو مدلل انداز میں پیش کرنا چاہیئے لاکھوں کڑوڑوں درود و سلام محمد عربی ﷺ پر اللہ ہم سب کو سیرت مصطفی ﷺ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

محسن کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حقوق حیوانات

آج پوری دنیا حقوق انسانیت کے ڈھنڈورے پیٹ رہی ہے اور اس میدان میں ہر مذہب والے اپنے آپ کو سب سے زیادہ حقوق انسانیت کا علمبردار بتا رہے ہیں۔لیکن سچائی یہ ہے کہ اس دنیا میں محسن انسانیت بلکہ محسن کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور کی ذات مقدسہ ہے۔اسی لیے فقہاے کرام نے فرمایا کہ آپ کی ذات والا صفات کو فقط محسنِ انسانیت بتانا ناانصافی ہے ۔آپ محض محسن انسانیت ہی نہیں بلکہ محسن کائنات بھی ہیں ۔کیوں کہ آپ حقوق حیوانات کے بھی علمبردار ہیں ۔اسی لیے حضرت علامہ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''خالق عالم نے اس عظیم ہستی کو رحمۃ اللعالمین کا بجا اعزاز (لقب) عطا فرمایا''۔

آپ فرماتے ہیں کہ ''رحمۃ اللعالمین'' کے یہ الفاظ اگر سونے یعنی سنہرے حروف سے بھی لکھے جائیں تو بھی ان کا حق ادا نہ ہوگا اور تا قیامت ادا نہیں ہوسکتا۔

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت محض انسانوں تک محدود نہ تھی بلکہ آپ بے زبان جانوروں اور پرندوں کے حق میں بھی فرشتۂ رحمت تھے۔اگر کسی انسان ناطق پر سختی کی جائے تو وہ اس کا اظہار کرسکتا ہے لیکن بے زبان چرند و پرند ایسا نہیں کر سکتے ۔اس لیے رحمت دو عالم اکثر اپنے صحابہ کو یہ فرمایا کرتے تھے کہ تم خدا کی اس بے

زبان مخلوق پر ظلم اور زیادتی نہ کرو۔

دربار نبوی لگا ہوا تھا ایک صحابی مجلس میں آئے انہوں نے چادر اوڑھی ہوئی تھی، رسول اکرم ﷺ نے دریافت کیا اس میں کیا ہے؟ صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں جنگل سے گزر رہا تھا کہ ایک جھاڑی میں سے چڑیا کے بچوں کی آواز آئی، میں ان کو وہاں سے اُٹھا کر لے آیا ہوں، رسول مقبول رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، جاؤ اسی وقت یہ بچے اس جھاڑی میں رکھ آؤ بچوں کی ماں کو سخت تکلیف ہو رہی ہوگی۔

رحمت عالم ﷺ جب بھی راستے سے گزرتے اور کسی کو اپنے جانوروں پر ناجائز سختی کرتے ہوئے دیکھتے تو آپ اسے منع فرما دیتے اور فرماتے کہ ان بے زبان جانوروں پر سختی کرنا اچھا نہیں ہے۔ انسان اپنے عزیزوں اور ہم جنسوں کے لیے رحم دل ہوسکتا ہے لیکن غیر جنس اور بے زبان جانوروں کے لیے اتنا سوز و گداز اور پُر شفقت دل رکھنا رحمت دو عالم ﷺ کی شان رحمۃ اللعالمین کا ہی خاصا ہے۔ آپ نے ایک موقع پر فرمایا: اے لوگو! ان بے زبان جانوروں اور چوپایوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ایک موقع پر ایک انصاری صحابی کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا: کیا تو اس چوپائے کے بارے میں خدائے پاک سے نہیں ڈرتا؟ جسے اللہ نے تیری ملکیت میں دے دیا ہے، کیوں کہ اس نے مجھ سے شکایت کی ہے تو اسے بھوکا رکھتا ہے اُونٹ نے آپ سے روتے ہوئے یہ شکایت کی تھی۔

ایک اور موقع پر فرمایا کہ ہر جاندار کو کھلانے پلانے میں ثواب ہے، ایک بار آپ راستے سے گزر رہے تھے کہ آپ کی نگاہ رحمت ایک گدھے پر پڑی جس کہ منھ پر مارے جانے کی نشانی نمایاں تھی (یعنی سوجن نمایاں تھی) آپ سخت ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا: ''ملعون ہے وہ شخص جو ان جانوروں کے منھ پر مارتا ہے''۔ ان تاریخ ساز جملوں اور ارشادات کی روشنی

میں آپ کو صرف محسن انسانیت کہنا مناسب نہیں۔ حقیقتاً آپ محسن کائنات رحمۃ اللعالمین ہیں۔ چناں چہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجات کلمات کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہا نے اس نکتے کو موضوع بحث بنایا ہے کہ حیوانات کس کے ملک میں ہوں؟ ان کی کفالت کس پر واجب ہے؟

چناں چہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ: ''مالک پر اپنے حیوانات یعنی جانوروں کا نفقہ دینا واجب ہے''۔ مالکی فقہ کے مشہور عالم ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم کی موافقت فرمائی ہے اور حضرت امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل کا قول ہے ان کی کفالت واجب ہے۔ کیوں کہ جانور بھی ذی روح ہیں اس کی حفاظت بھی انسان کی طرح واجب ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے اور حضرت امام طحاوی اور کمال ابن ھشام نے اس کو ترجیح دی ہے۔

فقہ کی کتابیں حقوق حیوانات سے بھری ہوئی ہیں۔ چناں چہ حضرت امام مالک، شافعی اور ابو یوسف حدیث کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اگر مالک اپنے جانوروں اور حیوانات پر خرچ کرنے سے انکار کردے تو اس سے کہا جائے گا یا تو ان جانوروں کو چرنے کے لیے آزاد چھوڑ دو جس سے وہ بقدر ضرورت چرلیں یا ان جانوروں کو مالک بیچ دے، یا اگر حلال جانور ہو تو اسے ذبح کردے (بھوکا نہ رکھے)۔

۱۔ فقہا، مفسرین اور علمائے کرام کا یہ ارشاد ہے کہ جانور کا تمام دودھ نکال لینا جب کہ اس جانور کا چھوٹا بچہ ہو جائز نہیں، ہاں بچے کی خوراک بھر دودھ چھوڑ کر اضافی دودھ نکال سکتے ہیں۔

۲۔ جو لوگ شہد کا کاروبار کرتے ہیں اور اس کے لیے باقائدہ شہد کی مکھیاں پالتے ہیں تو ان کے لیے بھی اسلامی شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ ان کے چھتے میں کچھ شہد رہنے دیں جو ان کی خوراک کے بقدر کفایت ہو جس سے وہ اپنا پیٹ بھر سکیں۔

۳۔ ریشم کا کپڑا بنانے والے ریشم کے کیڑے کے لیے شہتوت کے پتے کا انتظام کریں

تا کہ اس کی غذا کی ضرورت پوری ہو یا پھر اس ریشم کے کیڑے کو شہتوت کے درخت پر پتے کھانے کے لیے چھوڑ دیں تا کہ یہ ہلاکت سے بچا رہے۔

۴۔حضرت امام غزالی رحمۃاللہ علیہ کے بارے میں کتابوں میں آیا ہے کہ ان کی بخشش ایک مکھی یا ایک چیونٹی کو اپنے قلم کی روشنائی کے پانی سے سیراب یعنی اس کی پیاس بجھانے کی وجہ سے ہوئی۔

۵۔ایک حدیث شریف میں گذشتہ امتوں میں سے ایک عورت کا محض اس وجہ سے جہنم رسید ہونا فرمایا گیا ہے کہ اس نے ایک بلی کو بھوکا پیاسا رکھا جس سے اس کی موت ہو گئی۔اس کے برعکس ایک طوائف کو جنت صرف اس لیے ملی کہ اس نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا۔

۶۔جلیل القدر صحابیِ رسول امیر المومنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے اُونٹوں کو خود پانی پلاتے اور فرماتے یہ میری ملکیت میں ہیں، خدائے بزرگ برتر ہم سے باز پُرس فرمائے گا۔آپ کا ہی مشہور ارشاد گرامی ہے کہ اگر دریائے فرات کے ساحل پر کوئی کتا اور دوسری روایت میں ہے کوئی بکری بھوک سے مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں باز پُرس اور جواب طلبی ہو گی۔تاریخ میں ملتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں ڈرتا ہوں کہ میری حکومت میں اگر کوئی خارش زدہ (کھجلی والی) بکری مر جائے تو اللہ کے وہاں جواب دہ ہوں گا۔

۷۔حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رحمت عالم محسن کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگل جا رہے تھے تو یا رسول اللہ کی صدا (آواز) آئی، آپ نے پلٹ کر دیکھا کہ ایک ہرنی بندھی ہوئی ہے اور ایک اعرابی شکاری سو رہا ہے۔آپ سے ہرنی نے عرض کیا؛ رسول اللہ مجھے اس اعرابی نے دھوکے سے شکار کر لیا ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے دو چھوٹے بچے ہیں جو اس

پہاڑ پر بھوک سے رو رہے ہیں۔ یارسول اللہ اگر تھوڑی مہلت مل جائے تو دودھ پلا آؤں، آپ نے فوراً ہرنی کو چھوڑ دیا، اتنے میں اعرابی بیدار ہو کر کہنے لگا، اگر میرا شکار واپس نہ آیا تو اچھا نہ ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ہرنی اپنے دونوں بچوں کے ساتھ واپس آ گئی، اعرابی حیران رہ گیا اور آپ کی بے پایاں رحمت دیکھ کر فوراً کلمہ طیبہ پڑھا اور ہرنی کو مع بچوں کے آزاد کر دیا۔ ہرنی اپنے دونوں بچوں کے ساتھ کلمۂ طیبہ پڑھتی ہوئی اور اُچھلتی کودتی چلی گئی۔ حوالہ: شفا شریف جلد ۶ /صفحہ ۶۷ /، طبرانی، بیہقی شریف، حجۃ اللہ شریف صفحہ ۴۶۱۔

اخلاقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چند جھلکیاں

مالکِ کائنات اللہ رب العزت کے بعد سب سے بزرگ و برتر، سب سے اولیٰ و اعلیٰ، حبیب کبریا، امام الانبیا، فخر رسل، باعث تخلیق ہر جز وکل، خیر البشر، محسنِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثال شخصیت پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ مقالات اور مضامین سپردِ قلم کیے گیے اور کیے جارہے ہیں۔ اور صبح قیامت تک لکھے جاتے رہیں گے۔ شعرانے قصائد اور نعتوں کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے اظہار کو باعثِ سعادت وسرفرازی سمجھا ہے۔ مگر سچ اور حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ اور حق ادا بھی کیسے ہو؟ محمد رسول اللہ کی عظمت و رفعت خداوند کریم کا ایسا عطیہ ہے جو انسان کے تصور سے ماورا ہے۔ عاجز ہو کر انسان کو یہی کہنا پڑتا ہے:

لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپ کے اوصافِ جمیلہ، آپ کے خلقِ عظیم، حسنِ کردار اور مبارک تعلیمات کا تذکرہ قرآن کریم نے بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے اور آپ کے اخلاق کو ''خُلق عظیم'' فرمایا۔ چناں چہ فرمایا: حضور کا خلق قرآن ہے: {**وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ**} [**القلم: 4**] ترجمہ: اور بے شک تمھاری خو بڑی شان کی ہے۔

معلوم ہوا کہ کوئی بھی حضور کے اخلاق اور اوصاف کو کما حقہ بیان نہیں کر سکتا۔ امام احمد

رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ، میں کیا کیا کہوں تجھے

لیکن رضاؔ نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو قلیل فرمایا ہے۔ دنیا کا مال و متاع قلیل ہے اس کے باوجود کوئی شخص دنیا کی نعمتیں شمار نہیں کر سکتا۔ فرمانِ الٰہی ہے: تم ہماری دی ہوئی نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتے۔ جب قلیل کو شمار کرنا غیر ممکن ہے تو جسے رب تعالیٰ ''عظیم '' کہے اس کے اوصاف کریمانہ شمار کرنے کی کس کو طاقت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ:

خلقِ عظیم وہ نعمت عظمیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعلیم اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس آیتِ مبارکہ میں فرمائی ہے:

{خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ} [الأعراف: 199]

ترجمہ: درگزر کی عادت اپناؤ، نیکی کا حکم دو اور جاہلوں کو منہ نہ لگاؤ۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام سے اس بات کی وضاحت چاہی۔ انہوں نے فرمایا:

" أُوْتِيْتُ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ اَنْ تُصَلِّيْ مَنْ قَطَعَكَ وَ تُعْطِيْ مَنْ حَرَمَكَ وَتَعْفُوْ عَمَّنْ ظَلَمَكَ"

(آپ کو بہترین اخلاق عطا کیے گئے ہیں، جو آپ سے قطع تعلق کرے اسے اپنے ساتھ

بلائیں، جو آپ کو نہ دے آپ اسے عطا کریں، جو آپ پر ظلم کرے اسے آپ معاف کر دیں۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضل و کرم اس درجہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق عظیمہا علیٰ پایے کے ہیں کہ عقل اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ سیرت طیبہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہوتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مراتب عالیہ کو آخری حد تک پہنچا دیا جس کے آگے بڑھنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق"

(مجھے بہترین اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔ (سنن ابی داؤد، جلد ۲، صفحہ ۴۲)۔

حضرت حسنین نور قدس سرہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق عظیم کیوں نہ ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل اقدس پر اخلاقِ عظیم و اخلاقِ کریمہ کے انوار کی تجلی فرمائی ہے۔ علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہ فرماتے ہیں: آپ کا خلق عظیم ہے، کیوں کہ آپ عظیم ذات کے مظہر ہیں۔ اس لیے عظیم کا خلق بھی عظیم ہے۔ سب سے بہتر اور جامع تفسیر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمائی ہے۔ حضرت سعد بن ہشام فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا، اے ام المومنین! مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق کے بارے میں بتائیے۔ انھوں نے فرمایا: تم قرآن پاک نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا، میں پڑھتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا:

فَاِنَّ خُلُقَ نَبِیِّ اللهِ ﷺ کَانَ الْقُرْآنَ (نبی ﷺ کا خلق قرآن ھے)(صحیح مسلم جلد اول، صفحہ ۲۵۶، کتاب صلاۃ مسافرین، باب صلاۃ اللیل، صفحہ ۷۴۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عفو و صبر کی تعلیم:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص کو مسلسل گالیاں

دینے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صبر کرنے اور چپ رہنے پر) تعجب اور تبسم فرمارہے تھے، پھر جب اس آدمی نے بہت ہی زیادہ گالیاں دیں (اور زبان کو روکا ہی نہیں) تو حضرت ابو بکرصدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی بعض باتوں کو اس پر الٹ دیا اور کچھ جواب دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراضگی کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر چل دیے۔ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس بات کی فکر لاحق ہوئی اور وہ جلدی سے معذرت کے لیے اور حضور کی ناراضگی کا سبب معلوم کرنے کے لیے آپ کے پیچھے چلے) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور کے پاس پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! (یہ کیا بات ہوگئی کہ) وہ شخص مجھے گالیاں دیتا رہا اور آپ وہاں تشریف فرما رہے، پھر جب میں نے کچھ جواب دیا تو آپ ناراض ہو کر اٹھ کر چلے آئے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تک تم خاموش تھے اس وقت تک تمھارے ساتھ ایک فرشتہ تھا جو تمھاری طرف سے جواب دہی کر رہا تھا، پھر جب تم نے خود جواب دینا شروع کر دیا تو وہ فرشتہ تو چلا گیا اور شیطان بیچ میں آ گیا (کیوں کہ اسے امید ہوگئی کہ وہ لڑائی کو اور آگے بڑھا سکے گا) اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! تین باتیں ہیں جو سب کی سب بالکل حق ہیں۔

(۱) پہلی بات یہ کہ جس بندہ پر کوئی ظلم وزیادتی کی جائے اور وہ محض اللہ عزوجل کے لیے اس کو درگزر کرے (اور انتقام نہ لے) تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کی بھرپور مدد فرمائے گا (دنیا اور آخرت میں اس کو عزت دے گا) (۲) دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص صلہ رحمی کے لیے دوسروں کو دینے کا دروازہ کھولے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کو اور زیادہ دے گا۔ (۳) تیسری بات یہ ہے کہ جو آدمی (ضرورت سے مجبور ہو کر نہیں) اپنی دولت بڑھانے کے لیے سوال اور گداگری (بھیک مانگنے کا) کا دروازہ کھولے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی دولت کو کم کر دے گا۔ (مسند احمد، جلد ۲، صفحہ ۴۳۶، مشکوٰۃ باب الرفق، فصل: ۳، صفحہ ۴۳۳)

انصاف کے ساتھ ظلم کا بدلہ لینا اگرچہ جائز ہے لیکن فضیلت وعزیمت کی بات یہی

ہے کہ بدلہ لینے کی قدرت کے باوجود محض اللہ کے لیے معاف کردے تو یہ ثواب و اجر کی بات ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی کو سزا نہیں دی، لیکن جب اللہ کے حدود کو کوئی توڑتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے سزا دیتے تھے۔ (بخاری شریف، جلد ۲، صفحہ ۱۰۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عالمی پیغام:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا؛ یا رسول اللہ! میں اپنے خادم (غلام یا نوکر) کا قصور کتنی بار معاف کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔ اس نے پھر وہی عرض کیا، یا رسول اللہ! میں اپنے خادم کا قصور کتنی بار معاف کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛ ہر روز ستر بار (جامع ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۱۶)

سوال کرنے والے کا مقصد یہ تھا کہ حضور! اگر میرا خادم بار بار قصور (غلطی) کرے تو کہاں تک اسے معاف کروں اور کتنی بار معاف کرنے کے بعد اس کو سزا دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر بالفرض روزانہ ستر (۷۰) بار بھی قصور کرے تو تم اس کو معاف ہی کرتے رہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ قصور کا معاف کرنا کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کی حد مقرر کی جائے بلکہ حسنِ اخلاق، عفو و درگزر اور رحم کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بالفرض وہ روزانہ ستر بار سے بھی زیادہ غلطی کرے تو اس کو معاف ہی کر دیا جائے۔ ستر کا عدد تحدید کے لیے نہیں بلکہ تکثیر کے لیے ہے۔ جتنی دفعہ بھی ہو قصور معاف کر دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و طریقۂ زندگی ہم تمام مسلمانوں کے لیے نمونہ عمل کی حیثیت رکھتی ہے اور تا قیامت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے لیے قابلِ عمل ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب نہ صرف سیرت رسول پڑھیں بلکہ عمل بھی کریں تا کہ دنیا و آخرت کامیاب ہو۔

❁ ❁ ❁

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمنوں کے حق میں دعائیں کرنا

اسلام میں دعا کی بے پناہ اہمیت ہے۔قرآن وحدیث میں اس کے احکام واضح طور پر موجود ہیں۔دعا خدا اور بندے کے درمیان سب سے مضبوط اور نزدیکی تعلق ہے۔قرآن مجید میں ہے: میں اپنے بندے سے بہت ہی نزدیک ہوں،اس کی رگِ جاں سے بھی قریب ہوں۔دعا مانگنے کا حکم بار بار آیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے :{ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ}[البقرة:186]

ترجمہ: میں دعا مانگنے والوں کی دعا قبول کرتا ہوں،جب وہ مجھے پکارے۔

اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

{ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ} [غافر: 60]

ترجمہ: جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب جہنم میں جائیں گے ذلیل ہو کر۔یہاں عبادت سے مراد دعا ہے۔اس آیت کریمہ میں اکثر مفسرین نے عبادت سے دعا مراد لی ہے۔حدیث پاک میں بھی دعا کو عبادت بلکہ عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے۔

اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ اور اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ(مسند احمد جلد ۴،صفحہ ۲۷۱۔مشکوٰۃ الدعوات)

اس آیت میں ایسی رہنمائی دی جارہی ہے جسے اختیار کر کے دنیا وآخرت کی سعادتوں

سے ہمکنار ہو سکے۔ دوسرے مذاہب میں بھی دعا کی ترغیب دی گئی ہے اور دعائیہ الفاظ بھی دیگر مذہبی کتابوں میں موجود ہیں۔لیکن مذہب اسلام کے بنیادی عقیدۂ توحید سے ان کا دور دور تک تعلق نہیں ہے۔ اسلام میں عقیدۂ توحید پر قائم رہتے ہوئے اللہ رب العزت سے ہی اپنی بے بسی اور اپنی ضرورتوں کی التجا کا حکم ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اسی کی تعلیم دی اور خود عمل کر کے دکھایا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی رحمت ﷺ فرماتے ہیں: کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دے اور تمہارے رزق کو وسیع کردے۔ رات دن اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہو کہ دعا سلاح (ہتھیار) مومن ہے۔ دعا سبھی مانگتے ہیں، سب اپنے لیے اور اپنوں کے لیے مانگتے ہیں۔ ایسا حکم بھی ہے اللہ کے رسول نے طریقہ بتایا اور فرمایا: (مفہوم) پہلے اپنے نفس کے لیے پھر اپنوں کے لیے پھر دوسروں کے لیے دعا مانگو۔

دنیا میں جتنے جلیل القدر انبیاے کرام گزرے ہیں، انہوں نے عقیدۂ توحید کی دعوت دی اور اللہ کے دین کی طرف انسانوں کو بلایا۔ جن قوموں نے اپنے نبی کو جھٹلایا، ان کو ستایا اور ان کی دعوت کو ٹھکرایا تو ان کے رسولوں نے ان کے لیے دعاے ہلاکت فرمائی اور اللہ نے ان کی اس دعا کو قبول فرماتے ہوئے ان قوموں کو برباد اور ہلاک کر دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے جب ان کو جھٹلایا اور ستایا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اس طرح بددعا کی:

﴿وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ف(26) إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ [نوح: 26، 27]

ترجمہ: نوح نے کہا اے میرے رب! ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی نسل سے جو بھی پیدا ہوگا بدکار اور سخت کافر و ناشکرا ہی پیدا ہوگا۔ اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت موسیٰ

علیہ السلام نے اپنی قوم کی گمراہی اور ڈھٹائی پر دعائے ہلاکت کی اور وہ قومیں ہلاک ہوئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی قوم کے خلاف جو دعائے ہلاکت کی اس کا بیان کلامِ الٰہی میں اس طرح موجود ہے:

{وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ} [یونس: 88]

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں زینت اور مال و دولت سے نواز رکھا ہے۔ اے رب! ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دلوں پر ایسی مہر کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ ان کے دلوں میں ایمان قبول کرنے کی گنجائش ہی نہ رہی، جسے مہر لگ جانا کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوا دل کی سختی بھی بڑا عذاب ہے۔ اس سے اللہ بچائے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ آنکھ سے آنسو نہ بہے، دل اچھوں کی طرف مائل نہ ہو۔ چناں چہ جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی ایسا ہی ہوا کہ فرعونیوں کے درہم و دینار، پھل اور کھانے کی چیزیں پتھر ہوگئیں اور انہیں ایمان کی توفیق نہ ملی۔ ڈوبتے وقت ایمان لائے قبول نہ ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی ہارون علیہ السلام نے آمین کہا تھا۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنوں کے لیے دعا مانگی، ان کی ہدایت کی دعا مانگی۔ یہ بڑا صبر آزما کام ہے۔ زیادہ تر لوگ دشمنوں کے لیے بددعا ہی کرتے ہیں لیکن قربان جایئے رب کریم کی شان رب العالمین پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا تعارف رب العالمین کی حیثیت سے کرایا ہے۔ سورہ الفاتحہ کی ابتدا ''الحمد للہ رب العالمین'' سے ہوتی ہے۔ رب العالمین کا مطلب ہے سارے جہان کا پالنے والا اور پرورش کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری

رسول محمد ﷺ کا تعارف رحمت اللعالمین سے کرایا۔یعنی سارے جہان کے لیے رحمت۔ رب فرمارہا ہے:

{وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ} [الأنبياء: 107]

اے نبی! ہم نے توتم کو دنیاوالوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔نبی اپنے معاشرے کے لیے رحمت ہوتے ہیں۔جب قوم رحمت قبول نہیں کرتی تو ہلاکت اس کا مقدر بن جاتی ہے مگر اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ کی شان دوسرے انبیا سے الگ ہے۔کفار نے آپ کوبھی جھٹلایا،آپ کی مخالفت کی،آپ کوانتہائی اذیت دی بلکہ آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا مگر نبی رحمت ﷺ نے ان کے لیے بددعا نہ کی، بلکہ ہدایت کی دعا کی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قیل یا رسول اللہ ادع علی المشرکین قال انی لم ابعث لعانا و انما بعثت رحمہ(مسلم ، کتاب البروالصلہ والادب، باب النھی عن لعن الدواب)

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مشرکوں پر بد دعا کیجئے ۔ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا میں لعنت کرنے کے لیےنہیں بھیجا گیا ہوں ۔ میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں ۔ احادیث میں دشمنوں کے لیے دعا مانگنے کا ذکر صراحت کے ساتھ موجود ہے ۔حضور نبی اکرم ﷺ کو کفار نے جتنی تکلیف پہنچائی ،جتنی مخالفت کی سیرت کی کتابوں میں موجود ہے ۔

دورانِ تبلیغ طائف کے ہر قابلِ ذکر شخص سے حضور ﷺ نے ملاقات کی اور انہیں اللہ کی وحدانیت اور دین اسلام کوقبول کرنے کی دعوت دی۔کسی نے شائستگی سے جواب دینے کی زحمت گوارہ نہ کی۔انتہائی ڈھٹائی سے دعوت توحید کومسترد کردیااوراس سے بھی زیادہ رذالت

کا انہوں نے یوں مظاہرہ کیا۔ کہنے لگے: یَا مُحَمَّدُ اُخْرُجْ مِنْ بَلَدِ نَا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ تم ہمارے نوجوانوں کو اپنی باتوں سے بگاڑ دو گے۔ انہوں نے شہر کے اوباش نوجوانوں کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے لگا دیا۔ وہ جلوس کی شکل میں اکٹھے ہو گیے اور حضور کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ آوازے کستے، پھبتیاں اڑاتے، دشنام طرازی (گالی گلوج) کرتے، اپنے بتوں کے نعرے لگاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر برساتے۔ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بابرکت قدموں کو اپنے پتھروں کا نشانہ بناتے۔ چلتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو پاؤں زمین پر رکھتے ٹھک سے پتھر اس پر آ لگتا۔ حضور اسے اٹھاتے اور دوسرا پاؤں زمین پر رکھتے تو وہ پاؤں بھی پتھروں کی زد میں آ جاتا۔ یہاں تک کہ ان ظالموں کی سنگ باری سے آپ کے مبارک قدم زخمی ہو جاتے اور خون بہنا شروع ہو جاتا۔ ان کی سنگ باری جب شدت اختیار کر لیتی تو حضور درد کی شدت سے بیٹھ جاتے۔ وہ ظالم حضور کو بازوؤں سے پکڑتے اور کھڑا کر دیتے۔ پھر پتھر برسانا شروع کر دیتے اور ساتھ ہی قہقہے لگاتے۔ زید بن حارثہ بے کسی کے اس عالم میں اپنے آقا کو بچانے کے لیے آڑ بن جاتے۔ کئی پتھر ان کے سر پر لگے اور خون بہنے لگا۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب طائف شہر کے باہر پہنچے تو آپ کا دل ان کے ظالمانہ سلوک سے از حد مغموم تھا۔ سارا جسم زخموں سے بھرا تھا۔ جسم مبارک سے خون بہہ رہا تھا۔ قریب ہی ایک باغ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں تشریف لے گیے اور انگور کی ایک بیل کے نیچے بیٹھ گیے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو مناجات اس وقت اپنے رحیم و کریم رب کی بارگاہ میں کی اسے بار بار پڑھیے اور غور کیجئے شاید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ رحمت اور کمالِ عفو و درگذر کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ (سبل الہدی، ج۔ ۲، ص ۵۷۷، سیرت ابن کثیر، ج۔ ۲، ص ۱۵۰، سیرت ضیاء النبی، ج۔ ۲، صفحہ ۴۴۴ و دیگر کتب سیرت)

علامہ ابن کثیر صحیحین کے حوالے سے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل کی ہے:

"هَلْ اَتٰی عَلَيْكَ يَوْمٌ كَانَ اَشَدَّ عَلَيْكَ مِنْ يَوْمِ اُحُدٍ؟ فَقَالَ لَقَدْ لَقِيْتُ مِنْ قَوْمِكِ وَكَانَ اَشَدُّ مَا لَقِيْتُ يَوْمَ الْعُقْبَةِ"۔

آپ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا احد کے دن سے بھی زیادہ تکلیف دہ دن حضور پر گزرا ہے؟ فرمایا تیری قوم کے ہاتھوں جو تکلیفیں مجھے یوم العقبہ کو پہنچیں وہ زیادہ سخت تھیں۔ یعنی جس روز میں نے بنی ثقیف کے سرداروں عبد یالیل، سعود اور حبیب وغیرہ کو دعوت دی اور انہوں نے جو سلوک میرے ساتھ کیا وہ بڑا روح فرساں تھا۔ اس روز میں سخت غمگین و پریشان تھا۔ زخموں سے خون نکل رہا تھا۔ راستہ میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ میں نے سر اوپر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ایک بادل کا ٹکڑا مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے۔ پھر میں نے غور سے دیکھا تو جبرئیل مجھے وہاں دکھائی دیے۔ انھوں نے بلند آواز سے مجھے پکارا اور کہا: اللہ تعالیٰ نے وہ گفتگو سن لی ہے اور آپ کے ساتھ قوم کا سلوک دیکھ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الجبال یعنی پہاڑوں کے فرشتہ کو آپ کے پاس بھیجا ہے، وہ آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے اور آپ کی خدمت میں گزارش پیش کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ حکم دیں تو ابھی کفار کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس دوں۔ رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اَرْجُوْ اَنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ اَصْلَابِهِمْ مَنْ يَّعْبُدَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا"

ترجمہ: میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسی اولاد پیدا کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گی اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گی۔ (سبل الہدی، ج ۲، ص ۵۷۹۔ ۵۸۲، سیرت ابن کثیر، ج۔ ۲ صفحہ ۱۵۲، ۱۵۳، ضیاء النبی، ج۔ ۲ صفحہ ۴۴۷)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ رہا تھا

جس وقت وہ اللہ کے نبی (یعنی حضور اپنا) واقعہ بیان فرما رہے تھے کہ ان کی قوم نے ان کو مار مار کر لہولہان کر دیا تھا وہ اپنے چہرے سے خون پوچھتے تھے اور کہتے تھے: "**اَللّٰهُمَّ اِهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ**"

اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے وہ نادان ہے۔ (بخاری کتاب الانبیاء، باب حدیث المغار)

امام محمد یوسف الصالحی سبل الہدی میں امام احمد اور شیخین کے حوالے سے ایک روایت یوں نقل فرماتے ہیں: عکرمہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے پہاڑوں کے فرشتے! میں صبر کروں گا، شاید ان کی اولاد میں سے کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں جو لا الہ الا اللہ پر ایمان لائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس رحمت اور شفقت کو دیکھ کر ملک الجبال (پہاڑوں کا فرشتہ) یہ کہہ اٹھا، جس طرح آپ کے رب نے آپ کا نام رکھا ہے بے شک آپ رؤوف ورحیم ہیں۔ رحمت کی یہ روشن مثال انسانی تاریخ میں ڈھونڈنے سے نہیں ملے گی۔ یہی موقع ہوتا ہے جب نبی دعاے ہلاکت کرتے ہیں۔ ان کی دعا قبول ہوتی ہے اور قوم ہلاک و برباد ہوتی ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعاے ہلاکت بھی نہیں کی اور ملک الجبال کی ہلاکت کی پیشکش کو ٹھکرا دیا اور ہدایت کی دعا کی کیوں کہ اللہ نے آپ کو رحمت اللعالمین بنا کر مبعوث فرمایا تھا۔

حضرت زبنرہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھرانے کی باندی تھیں، مسلمان ہوگئیں تو ان کو کافروں نے اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ حضور نے ان کے لیے دعا مانگی۔ خداوند تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے پھر ان کی آنکھوں میں روشنی عطا فرما دی تو مشرکین کہنے لگے یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جادو کا اثر ہے۔ (زرقانی علی المواہب، ج۔۱، ص ۲۷۰)

مدینہ میں انصار کے علاوہ بہت سے یہودی بھی آباد تھے۔ ان یہودیوں کے تین قبیلے بنو قینقاع، بنو نظیر اور بنو قریظہ مدینہ کے اطراف میں آباد تھے اور نہایت مضبوط محلات و قلعے بنا

کر رہتے تھے۔ ہجرت سے پہلے یہودیوں اور انصار میں ہمیشہ اختلاف رہتا تھا۔ چوں کہ مدینہ کی آب وہوا اچھی نہ تھی، یہاں طرح طرح کی بیماریاں اور وبائیں پھیلتی رہتی تھیں۔ اس لیے کثرت سے لوگ بیمار ہوتے۔ مہاجرین بھی بیمار ہونے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ شدید لرزہ بخار میں مبتلا ہوکر بیمار پڑ گیے اور بخار کی شدت میں یہ حضرات اپنے وطن مکہ کو یاد کر کے کفار مکہ پر لعنت بھیجتے تھے۔ اور مکہ کی پہاڑیوں اور گھاسوں کے فراق میں اشعار پڑھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی پریشانیوں کو دیکھ کر یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ کی ایسی محبت ڈال دے جیسی مکہ کی محبت ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور رمدینہ کی آب وہوا کو صحت بخش بنادے اور مدینہ کے صاع مد اور ناپ تول کے برتنوں میں خیر وبرکت عطا فرما اور مدینہ کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل فرمادے۔ آپ کی دعا سے مدینہ کے لوگوں کو آرام مل گیا۔ (مدارج النبوت، ج۔ ۲، ص ۰ ۷، اور بخاری)

آپ کی دعاؤں اور عفو ودرگزر کی مثالوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لبید بن عاصم یہودی کو جس نے آپ پر جادو کیا تھا اور خیبر کی اس یہودن کو جس نے زہر آلود بکری کی ران آپ کو دی تھی، معاف فرما دیا اور دعا سے نوازا۔ (مدارج النبوت، ج۔ اول، ص ۴۷)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمال عفو ودرگزر فرمانے والے تھے۔ مطلب یہ کہ آپ نے اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہ لیا۔ جس نے آپ کے مال کو برباد کیا یا آپ کے ساتھ برابرتاؤ کیا یا تکلیف پہنچائی، اسے معاف کر دیا۔ آج مسلمانوں کا یہ شیوہ ہو گیا ہے کہ جب اسے کسی سے تکلیف پہنچتی ہے تو کہتا ہے (بلکہ کرتا ہے) میں اینٹ کا جواب پتھر سے دوں گا۔ افسوس صد افسوس! آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ جو اچھے اور نیک کہلاتے ہیں یہاں تک علما (چند کو چھوڑ کر) ذرا سی بات پر اپنے قریبی دوستوں اور رشتے داروں کے لیے بددعا کرنے لگتے اور نقصان پہنچانے کے لیے اوراد ووظائف اور تعویذ کا استعمال کرنے لگتے ہیں۔ مگر نبی رحمت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ آپ نے پتھر کھائے جواب میں پتھر نہیں برسائے۔ بلکہ ان کی ہدایت کی دعا کی اور آپ کی دعا قبول ہوئی۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ طائف کی اگلی نسل نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھ لیا۔کل طائف کے لوگ رسول اللہ کے دشمن تھے آج طائف کے لوگ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سراپا رحمت تھی۔ زحمت، تشدد اور انتقام جیسی چیزیں آپ کے اندر نہ تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ دشمن بھی آپ کا گرویدہ ہوجاتا تھا اور آپ کی رحمت بھری اداؤں اور آپ کی رحمت ورافت والی شخصیت سے متاثر ضرور ہوتا تھا اور آپ کو صادق الامین کے لقب سے پکارتا تھا اور اکثر کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوجاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس صفت اور اس کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (اے پیغمبر) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم دل واقع ہوئے ہو ورنہ اگر تم سخت دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کردو اور ان کے حق میں دعاے مغفرت کرو۔(القرآن، سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹)

جس طرح ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہچان رحمت ہے اسی طرح امت محمدی کی پہچان بھی رحمت ہونی چاہیے۔ مسلمان اپنی فیملی کے لیے، اپنے محلہ اور سماج کے لیے اپنے ملک اور انسانوں کے لیے رحمت بننے کی کوشش کریں۔ اس وقت ایسے حالات پیدا ہوگیے ہیں کہ مسلمانوں کو زحمت سمجھا جاتا ہے، ان کو ظلم وتشدد سے جوڑا جارہا ہے۔ مسلم نوجوانوں میں صبر وتحمل اور رواداری کا جذبہ کم ہورہا ہے۔ انہیں اپنے رسول کی سیرت کو اپنے لیے نمونۂ عمل بنانا چاہیے۔ ہم تمام امتیوں کو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے حسنِ اخلاق اور عفو ودرگزر کو اختیار کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ثم آمین!!

❀❀❀

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عفو و درگذر

قصوروار اور اپنے دشمن کو معاف کر دینا اسلامی تعلیمات کا ایک حصہ ہے۔ اگر کسی نے اپنی زبان اور ہاتھ سے انتقام پر قدرت رکھنے کے باوجود کسی کو تکلیف پہنچائی اور اس کے نتیجے میں اس کو غصہ آ گیا اور اس حالت میں غصہ سے مغلوب شخص صبر وضبط اور عفو و درگذر سے کام لے تو یہ بہت بہتر ہے۔

عفو کا معنیٰ اور مفہوم:

عفو عربی زبان کا ایک لفظ ہے، جس کے معانی معاف کرنا، بخش دینا، درگذر کرنا، بدلہ نہ لینا اور گناہ پر پردہ ڈالنے کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں عفو سے مراد کسی کی زیادتی و برائی پر انتقام کی قدرت و طاقت کے باوجود انتقام نہ لینا اور معاف کر دینا ہے۔

قدرت و طاقت نہ ہونے کی وجہ سے اگر انسان انتقام نہ لے سکتا ہو تو یہ عفو (معاف کرنا) نہیں ہوگا بلکہ اسے بے بسی کا نام دیا جائے گا۔ عفو صرف قادر ہونے کی صورت میں ہے۔ عفو کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی معاف کر دے خواہ طبیعت اس پر آمادہ نہ ہو۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دل کی رضا و خوشی کے ساتھ معاف کرے اور ممکن ہو تو اس کے ساتھ کچھ احسان بھی کرے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب میں نے جنت میں اونچے اونچے محلات دیکھے تو جبرائیل سے فرمایا: یہ کن لوگوں کے لیے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ ان لوگوں کے لیے ہیں، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگذر کرتے ہوئے انہیں معاف کر دیتے ہیں۔ اپنے غصہ کو پی جانا بے شک بڑے ہمت کا کام

ہے۔انسان اپنے دشمن سے انتقام بھی نہ لے اسے دل سے معاف بھی کر دے اس اخلاق کے اپنانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں بہت سے انعامات سے نوازتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عفو ودرگذر کرنے کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

{الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ} [آل عمران: 134]

ترجمہ: جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں اور تنگ دستی میں اور ضبط کرنے والے ہیں غصہ کو اور درگذر کرنے والے ہیں لوگوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے احسان کرنے والوں سے۔

امام بیہقی نے اس آیت کی تفسیر میں دلچسپ واقعہ نقل فرمایا ہے۔امام زین العابدین کی لونڈی آپ کو وضو کرنے کے لیے بھرا لوٹا لائی،اس کے ہاتھ سے وہ لوٹا آپ پر گر گیا اور آپ کے کپڑے بھیگ گیے،آپ نے نگاہ اُٹھا کر اُسے دیکھا وہ بولی "**والْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ**"آپ نے فرمایا: میں نے غصہ پی لیا وہ بولی"والعَافِيْنَ عَنِ النَّاس" آپ نے فرمایا: میں نے معاف کیا،رب تجھے معافی دے،وہ بولی"**وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْن**"بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو آپ نے فرمایا جا تو **فِيْ سَبِيْلِ اللّٰه** آزاد ہے،(روح المعانی صفحہ ۹۴ جلد ۳)

اسی طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ آپ کے خادم کے ہاتھ سے آپ کے سر پر شوربا (سالن) گر گیا یہ آپ کو ناگوار گذرا تو خادم نے یہی یہ آیت پڑھی۔

آپ نے فرمایا تجھے معاف کرتا ہوں،آزاد کرتا ہوں اور تیرا نکاح اپنی فلاں لونڈی (کنیز) سے کرتا ہوں اور تم دونوں کا خرچ تا زندگی میرے ذمہ ہے (تفسیر نور العرفان صفحہ ۲۰۵ جلد ۵)

قرآن مقدس نے دوسری جگہ اس سے زیادہ وضاحت سے بُرائی کرنے والوں کے

ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا اور یہ بتلایا کہ اس کے ذریعہ دشمن بھی دوست ہو جاتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ } [فصلت: 34]

ترجمہ: بُرائی کی مدافعت بھلائی اور احسان کے ساتھ کرو جو جس کے ساتھ دشمن ہے وہ تمہارا گہرا دوست بن جائے گا۔

اس آیت مبارکہ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ مومن کا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ جہاں تک ہو سکے برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے پیش آئے، اگر اسے سخت بات کہے یا برا معاملہ کرے تو اس کے مقابل وہ طرز اختیار کرنا چاہیے جو اس سے بہتر ہو، مثلاً: غصہ کے جواب میں بردباری، گالی کے جواب میں تہذیب و شائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی و مہربانی سے پیش آئے، اس طرز عمل سے دشمن ڈھیلا پڑ جائے گا اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ دوست کی طرح برتاؤ کرنے لگے گا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

ترجمہ: ہاں کسی شخص کی طبیعت کی اُفتاد (فطرت) ہی سانپ بچھو کی طرح ہو کہ کوئی نرم خوئی اور خوش اخلاقی اس پر اثر نہ کرے وہ دوسری بات ہے مگر ایسے فرد بہت کم ہوتے ہیں (سورہ ممتحنہ آیت ۷)

دشمنوں اور غیر مسلموں کے ساتھ رحمۃ للعالمین کا عفو و درگذر:

حق و باطل کا پہلا معرکہ جنگ بدر کے نام سے مشہور ہے۔ جنگ بدر سنہ ۲ ہجری میں ہوئی۔ اس جنگ میں مسلمان ہر اعتبار سے کفار کے مقابلہ میں کم تر تھے لیکن اللہ کے حکم سے جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور میدان جنگ میں کچھ دشمن کے بڑے بڑے سرغنہ قیدی بن کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیے گیے تو آپ نے انہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں

بغرض حفاظت تقسیم فرمادیا اور حکم دیا کے ان کے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آنا، یہاں تک کہ خود بھوکے رہنا مگر ان کو پیٹ بھر کھانا کھلانا۔ چناں چہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایسا ہی کیا اور جو لوگ مسلمان کے جانی دشمن تھے اور خون کے پیاسے تھے، مکہ مکرمہ میں آپ کی گردن میں رسی ڈال کر کھینچا تھا۔ چناں چہ بخاری و مسلم میں حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتھ چل رہا تھا اور حضور کے جسم پر موٹے کنارے والی نجرانی چادر تھی، اُتنے میں ایک اعرابی آیا اور آپ کی چادر کو گلے میں پھنسا کر سخت طریقے سے کھینچا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اعرابی کی طرف گھوم گیے، میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شانۂ مبارک کو دیکھا کہ چادر سے زور سے کھینچنے کی وجہ سے چھل گیا تھا پھر اس نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اللہ تعالیٰ کا مال جو آپ کے پاس ہے اس سے مجھے دینے کا حکم دیجئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا پھر ہنس کر اس کے لیے بخشش کا حکم دیا (صحیح بخاری کتاب الاداب) (مشکوۃ شریف صفحہ ۵۱۸ - باب فی اخلاقہ وشمائلہ)

اسی طرح کی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اسے معاف کردیا اور خوب نوازا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلم و بردباری اور عفوو درگذر کے حوالے سے یہ پہلو بڑا روشن و تابناک ہے۔ عبادت کے دوران سجدہ کے وقت کمر مبارک پر غلاظت اور اونٹ کی اوجھڑیاں ڈال دی تھیں، لیکن آپ نے کبھی بھی کفار مکہ اور قریش کے سرکش لوگوں سے بدلہ نہیں لیا آپ نے بددُعا نہ فرمائی اور ان کو ہمیشہ پیار و محبت سے اسلام کی طرف دعوت دی۔ آپ نے تو راستہ چلتے میں بوڑھی عورت کے کوڑا ڈالنے پر کبھی کچھ نہیں کہا۔ آپ نے اس کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کیا۔ اسیران بدر میں ایک شخص سہیل بن عمر تھا جو عام مجمعوں میں ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اشتعال انگیز اور گستاخانہ تقریریں کیا کرتا تھا، قیدی بن کر آنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس کے نیچے کے دانت اُکھڑوا

دیجئے تاکہ یہ آپ کی شان میں ہجو اور گستاخانہ تقریر نہ کر سکے، حضور نے فرمایا: اگرچہ میں نبی ہوں لیکن پھر بھی اگر کسی کا عضو بیکار کر دوں گا تو اس کے لیے روز قیامت جواب دہ ہوں گا۔ آپ نے سہیل بن عمر کو بھی تمام قیدیوں کی طرح معاف فرما دیا۔

قیدیوں کے پاس کپڑے نہ تھے، ان سب کو حضور نے کپڑے دلوائے، آپ نے صحابۂ کرام کو ہدایت فرمادی تھی کہ وہ اسیران جنگ کے ساتھ محبت اور مروت کا سلوک کریں۔ اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم قیدیوں کی خوب خاطر و مدارات کرتے تھے۔

عَفو صفتِ الٰہی ہے:

عفو اللہ تعالیٰ کی خصوصی اور امتیازی صفت ہے۔ اس لیے اللہ نے اس کے اختیار کرنے کی بار بار تلقین فرمائی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ پاک ہے:

{إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا} [النساء: 43]

ترجمہ: بے شک اللہ معاف فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: {فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا} [النساء: 149]

ترجمہ: بے شک اللہ بڑا معاف فرمانے والا بڑی قدرت والا ہے۔

عفو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی عفو و درگذر کی تلقین فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ} [آل عمران: 159]

ترجمہ: سو آپ ان سے درگذر فرمایا کریں اور ان کیلئے بخشش مانگا کریں۔

اسی طرح اور ایک مقام پر ہے:

{وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَى مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّى أَتَاهُمْ نَصْرُنَا} [الأنعام: 34]

ترجمہ: اور بے شک جھٹلائے گئے بہت سے رسول آپ سے پہلے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلائے جانے پر اور ستائے جانے پر یہاں تک کہ آ پہنچی اُنہیں ہماری مدد۔

مصیبت وایذا کے وقت اپنے آپ کو روکنا اور متاثر نہ ہونا صبر کہلاتا ہے۔ اَپنی طبیعت کو غصہ سے ضبط کرنے کا نام حِلم ہے، خطا پر مواخذہ نہ کرنے کو عفو کہتے ہیں، یہ صفت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کے حق کے لیے کبھی انتقام (بدلہ) نہ لیا ہاں جب کسی حرمت اللہ کی بے حرمتی دیکھتے، تو اللہ کے واسطے اس کا انتقام لیتے (صحیح بخاری باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

بدر کے قیدیوں میں ایک شخص عزیز بن عمر بھی تھا، جو لشکرِ کفار کا علم بردار تھا۔ عزیز کا بیان ہے کہ مجھے گرفتار کر کے مدینہ کی طرف لاتے ہوئے انصاری صحابی راستہ میں جب کھانا کھانے بیٹھے تو میرا خیال اس قدر رکھتے تھے کہ ان کے پاس جو کھانا ہوتا تھا وہ تو مجھے دیتے تھے اور خود بھی بھوکے رہتے تھے یا کھجوریں کھا کر گزارہ کر لیا کرتے تھے۔ میں مارے شرم کے وہ روٹی ان میں سے کسی کو دے دیتا تھا تو پھر وہ روٹی گھوم کر مجھ ہی کو واپس مل جاتی۔ اسیرانِ جنگ کے عزیزوں نے جب فدیہ دے کر قیدیوں کو واپس لینا چاہا تو مسلمانوں نے خوشی سے ان قیدیوں کو واپس کر دیا۔ اس وقت عزیز بن عمر نے جانے سے انکار کر دیا اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ دنیا کی تاریخ میں کوئی واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا کہ کسی قوم نے دشمنوں کے ساتھ ایسا شریفانہ سلوک کیا ہو۔ یہ تھا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عفو و درگذر۔

آپ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ کرنے والوں پر یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ نہایت رحم دل اور نرم خو تھے اور ہر اس شخص کو معاف فرما دیتے جو زندگی بھر یا زندگی کے کسی حصہ میں بھی آپ کو تکلیف پہنچائی۔ کلام الٰہی میں اس کے شواہد موجود

ہیں۔ارشادِ ربانی ہے:

{خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ} [الأعراف: 199]

اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔

ترجمہ: آپ کی شان اعلیٰ عفو و درگذر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔آپ نے اپنے اقوال بلکہ اپنے اعمال و کردار سے عفو و درگذر کو ثابت فرمایا۔تمام مومنین کو چاہیے کہ اس اعلیٰ صفت عفو و درگذر کو اپنا کر اپنے دشمنوں اور اسلام کے ماننے والوں کو بھی اس صفت کو اپنانے کی دعوت دیں۔اللہ اپنے فضل سے ہم سب کو اسوۂ رسول پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین

ماہِ ربیع الاوّل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام

بارہ ربیع الاول کو تشریف فرما ہونے والے محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانوں کے لیے جو دستورِ زندگی دیا وہ صرف دستور کی حد تک نہیں بلکہ آپ نے ایک ایک حکم پر عملی طور پر عمل فرما کر، دستورِ حیات کو نافذ کر کے دکھا دیا۔ اسی لیے جو کوئی اس دستور کا عملی نمونہ دیکھنا چاہے وہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں دیکھ لے اور اس کی روشنی میں اپنی زندگی گزارے۔ چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: 21]

بے شک تمہاری رہنمائی کے لیے اللہ کے رسول بہترین نمونہ ہے۔ یہ نمونہ اس کے لیے جو اللہ سے ملنے کی اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی تمہارے لیے ہر موڑ پر رہنمائی کرتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے اپنی مخلوق پر صرف قرآن نازل کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس کی تبلیغ کرنے کے لیے اپنے محبوب کو منتخب فرمایا تاکہ وہ ارشادِ خداوندی پر خود عمل کر کے دکھائیں، ان پر ایمان لانے والے بھی ان کی زندگی کو نمونہ مان کر عمل پیرا ہوں۔

اس وقت دنیا جن حالات سے گزر رہی ہے اور انسانی آبادی ساری ترقیوں اور سہولتوں کے باوجود جن خطرات میں گھری ہوئی ہے، ظلم وزیادتی کی جو گرم بازاری ہے اور انسانی خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے، مصر، عراق، ایران، پاکستان، افغانستان وغیرہ وغیرہ میں خون کی ارزانی ہے اس کا علاج اگر کہیں مل سکتا ہے تو اسی پیغامِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستورِ حیات میں

ہے۔

ربیع الاول اسلامی سال کا تیسرا مہینہ ہے۔تاریخ انسانی میں یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں حضرت محمد ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے۔آپ کے ذاتی نام احمد اور محمد (ﷺ) ہیں۔صفاتی نام بہت سے ہیں۔مشہور نام ۹۹ ہیں،جن میں سے چند یہ ہیں۔مصطفیٰ،مجتبیٰ، حامد،محمود،قاسم،صادق اور امین ﷺ۔آپ نے فرمایا: میں سید الاولین والآخرین اور خاتم النبیین ہوں۔اسی لیے آپ کا لقب سید المرسلین،افضل الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہے۔

۵۷۱ء،بروز پیر بوقت صبح آپ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔بھولی بھٹکی ہوئی انسانیت کے لیے فلاح کی راہ دکھانے والا دستورِ زندگی لے کر آپ تشریف لائے،جو ہر قوم و ہر ملک کے لوگوں کے لیے نسخۂ اکسیر ہے۔اس دستورِ حیات میں نہ کالے گورے کا فرق رکھا گیا نہ عربی و عجمی کا،نہ امیر و غریب کا نہ بادشاہ و فقیر کا۔کرۂ زمین پر جہاں کہیں بھی انسانی آبادی پائی جاتی ہے یہ دستورِ حیات سب کی رہنمائی کرتا ہے۔

حضور ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں واضح الفاظ میں یہ اعلان فرمایا: اے لوگو! خبر دار ہو جاؤ کہ تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمھارا باپ (حضرت آدم علیہ السلام) ایک ہے۔کسی عرب کو غیر عرب پر اور کسی غیر عرب کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی سفید فام کو سیاہ فام پر اور نہ سیاہ فام کو سفید فام پر فضیلت حاصل ہے سوائے تقویٰ کے۔آپ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا:

''تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں''[احمد بن حنبل، المسند جلد ۵، صفحہ ۴۱۱، حدیث نمبر ۲۳۵۳۶، کنز العمال، جلد ۵ صفحہ ۲۹، حدیث نمبر ۱۲۳۵۴]

اس طرح اسلام نے تمام قسم کے امتیازات اور ذات پات، رنگ،نسل،جنس ،

زبان، حسب ونسب اور مال و دولت پر مبنی تعصّبات کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور تاریخ میں پہلی بار تمام انسانوں کو ایک دوسرے کے برابر قرار دیا۔ انسانی مساوات کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں، نسلوں اور زبانوں سے تعلق رکھنے والے ہر سال مکۃ المکرمہ میں ایک ہی لباس میں ملبوس حج ادا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی دستورِ حیات میں عزت و شرف کا معیار امیر وغریب اور قوم وقبیلہ کو نہیں بلکہ حسنِ کردار (اخلاق) کو بتایا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ﴾ [الحجرات: 13]

اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو، بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ القرآن، الحجرات ۴۹/ ۱۳)

اہم بات یہ ہے کہ پیدائشی لحاظ سے تمام انسان یکساں ہیں۔ انعاماتِ الٰہیہ سے سب انسان نوازے گیے مگر ان کا صحیح اور برمحل استعمال کر کے خدا کا خوف اور تقویٰ حاصل کرنے والا سب سے بہتر وافضل ہے۔

مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''شکل وصورت کے لحاظ سے سب انسان برابر ہیں، حضرت آدم علیہ السلام ان سب کے باپ اور حوّا سب کی ماں ہیں۔'' اسی تخلیقی برابری کے باعث آدم وحوّا کی سب اولاد آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ الگ الگ قومیں اور جدا جدا خاندانوں اور قبیلوں کا مصرف یہ ہے کہ انسانوں کو باہمی تعارف میں آسانی ہو اور ملنے جلنے میں سہولت ہو۔ قبیلے اور قوموں کے ذریعہ فخر ومباہات یا کسی کی تحقیر وتذلیل ہرگز نہیں ہونی

چاہیے۔ اسلام نے بھید بھاؤ کی خاردار جھاڑیوں کو کاٹ کر پھینک دیا ہے۔ لیکن آج ترقی یافتہ کہلانے کے باوجود ساری دنیا خاص کر مغربی ممالک میں یہ عصبیت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جارہی ہے۔ طاقتور ممالک غریب اور مفلس علاقوں کو آج تک اسی طرح ظلم وستم کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں، جس طرح بڑی مچھلی چھوٹی کو لقمہ تر سمجھ کر ہڑپ کر جاتی ہے۔ جس طرح امریکہ کی سرزمین پر انسانوں کے جسم میں خون ہے اور وہاں کے انسان قابلِ قدر ہیں، بالکل اسی طرح باقی دنیا فلسطین، ویتنام، افغانستان، مصر، لیبیا اور افریقی ممالک وغیرہ کے انسان بھی قابلِ عزت ہیں۔

بارہ ربیع الاوّل کو پیدا ہونے والے محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیغام ماننا ہی دنیا کی ساری قوموں کے لیے نسخۂ کیمیا ہے۔ اس میں مرد وعورت، بوڑھے، جوان، کنبہ وخاندان اور حاکم و محکوم سبھی کے لیے آرام وراحت اور سکون واطمینان کا سامان ہے۔ اور اس کا عملی نمونہ بھی خلافت راشدہ کے زمانے میں پورے ۳۶ر سال تک دنیا دیکھ چکی ہے اور اس کا میٹھا پھل بھی کھا چکی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عطا کردہ تعلیم سے نسلی وقبائلی برتری کے تمام بت پاش پاش ہوگیے۔ یہ مساواتِ اسلامی زندگی کے ہر گوشے میں نظر آتی ہے۔ بارہ ربیع الاوّل شریف کو آنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انسانوں کے لیے جو دستورِ حیات دیا وہ صرف دستور کی حد تک نہیں رہا بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے ایک ایک حکم پر عمل کرکے، نافذ کرکے دکھا دیا اور حکم دیا کہ اسوۂ رسول پر چل کر زندگی گزارو۔

اخلاق وشمائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے: "اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاق"
میری بعثت اس لیے ہوئی کہ میں اخلاق کی تعلیم کو مکمل کروں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق عالیہ، اوصاف جمیلہ اور حلیہ مبارک، اوصافِ کریمہ اور

فضائلِ شریفہ کا ذکر صحابیِ رسول ہند ابی ہالہ رضی اللہ عنہ نے (جو ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فرزند اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے ماموں ہیں) آپ کو اوصاف النبی (حضور کے اوصاف بتانے والے) بھی کہا جاتا ہے، بہت جامع اور بلیغ انداز میں کہا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طبعاً بد کلامی اور بے حیائی و بے شرمی سے دور تھے اور تکلفاً بھی ایسی کوئی بات آپ سے سرزد نہیں ہوتی تھی۔ بازاروں میں آپ کبھی آواز بلند نہ فرماتے، برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے، بلکہ عفو درگزر کا معاملہ فرماتے۔ آپ نے کسی پر کبھی دست درازی نہ فرمائی سوائے اس کے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا موقع ہو، کسی خادم یا عورت پر آپ نے کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا۔ ہند ابی ہالہ عرض کرتے ہیں: میں نے آپ کو کسی ظلم و زیادتی کا انتقام لیتے ہوئے بھی نہ دیکھا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے خلاف ورزی نہ ہو اور حدود اللہ کی حرمت و ناموس پر آنچ نہ آئے۔ ہاں، اگر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو پامال کیا جاتا اور اس کے ناموس پر حرف آتا تو آپ ہر شخص سے زیادہ غصہ فرماتے۔ دو چیزیں سامنے ہوتیں تو ہمیشہ آسان چیز کا انتخاب فرماتے۔ جب اپنے دولت خانہ پر تشریف لاتے تو اپنے کپڑوں کو صاف فرماتے، بکری کا دودھ دوہتے اور اپنی ضرورتیں خود انجام دیتے، اپنی زبان مبارک محفوظ رکھتے، صرف اور صرف اسی چیز کے لیے کھولتے جس سے آپ کو کچھ سروکار رہوتا۔ لوگوں کی دلداری فرماتے اور ان کو متنفر نہ کرتے۔

سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت آخرت کی فکر میں اور امورِ آخرت کی سوچ میں رہتے، اس کا ایک تسلسل قائم تھا کہ کسی وقت آپ کو چین نہیں ہوتا تھا۔ غلاموں سے بھی محبت کا سلوک فرماتے۔ آپ مدینہ منورہ کے بازار میں تشریف لے گیے۔ وہاں ملاحظہ فرمایا کہ ایک غلام یہ کہہ رہا ہے

کہ جو مجھے خریدے وہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پنج گانہ نماز سے نہ روکے۔ اسے ایک شخص نے خرید لیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ غلام سخت بیمار ہو گیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تیمارداری کو تشریف لے گیے پھر اس کی وفات ہو گئی تو حضور اس کے دفن میں شریک ہوئے۔ اس پر بہت سے لوگوں نے حیرانی کا اظہار کیا کہ غلام اور اس پر اتنا انعام۔ آپ کے اخلاقِ کریمانہ پر یہ آیت نازل ہوئی:

{إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ} [الحجرات: 13]

ترجمہ: تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں متقی پرہیزگار ہو۔

ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر طویل سکوت اختیار فرماتے، بلا ضرورت کلام نہ فرماتے، آپ کی گفتگو اور بیان بہت صاف، واضح اور دو ٹوک ہوتا، نہ اس میں غیر ضروری طوالت ہوتی نہ زیادہ اختصار۔ آپ نرم مزاج و نرم گفتار تھے، درشت اور بے مروت نہ تھے۔ آپ کسی کی اہانت نہ کرتے اور نہ اپنے لیے اہانت پسند کرتے تھے۔ نعمت کی بڑی قدر کرتے اور اس کو بہت زیادہ جانتے خواہ کتنی ہی قلیل ہو۔ نعمت کی برائی نہ فرماتے۔ دنیا اور دنیا سے متعلق جو چیز ہوتی اس پر آپ کو کبھی غصہ نہ آتا لیکن جب رب العالمین کے کسی حق کو پامال کیا جاتا تو اس وقت آپ کے جلال کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکتی تھی، یہاں تک کہ آپ اس کا بدلہ لے لیتے۔ آپ کو اپنی ذات کے لیے غصہ نہ آتا نہ ہی اپنی ذات کے لیے انتقام لیتے۔ جب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ کے ساتھ اشارہ فرماتے۔ غصہ اور ناگواری کی بات ہوتی تو روئے انور اس طرف سے پھیر لیتے اور اعراض فرما لیتے۔ خوش ہوتے تو نظریں جھکا لیتے۔ آپ کا ہنسنا زیادہ تر تبسم تھا جس سے صرف آپ کے دندانِ مبارک، جو بارش کے اولوں کی طرح پاک و شفاف تھے، ظاہر ہوتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ ہمہ وقت کشادہ رو اور انبساط و بشاشت کے ساتھ

رہتے تھے۔ بہت نرم اخلاق، نرم پہلو تھے۔ نہ سخت طبیعت کے تھے نہ سخت بات کہنے کے عادی، نہ چلا کر بولنے والے نہ کسی کو عیب لگانے والے، نہ تنگ دل نہ بخیل۔ تین باتوں سے آپ نے اپنے کو بالکل بچا کر رکھا۔ ایک جھگڑا، دوسرے تکبر اور تیسرے غیر ضروری اور لایعنی کام۔ لوگوں کو بھی تین باتوں سے آپ نے بچا رکھا تھا۔ نہ کسی کی برائی کرتے نہ اس کو عیب لگاتے تھے اور نہ اس کی کمزوریوں اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑتے تھے۔ صرف وہ کلام فرماتے تھے جس پر ثواب کی امید ہوتی تھی۔ جب گفتگو فرماتے تو شرکائے مجلس ادب سے اس طرح سر جھکا لیتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان سب کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو لباس و جمال و کمال سے آراستہ فرمایا تھا اور آپ کو محبت و دلکشی اور رعب و ہیبت کا حسین و جمیل پیکر بنایا تھا۔ ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: آپ خوددار، باوقار اور شان و شوکت کے حامل تھے اور دوسروں کی نگاہ میں بھی نہایت پرشکوہ، آپ کا روئے انور چودھویں رات کے چاند کی طرح دمکتا تھا۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ میانہ قد تھے۔ میں نے آپ کو ایک مرتبہ سرخ قبا میں دیکھا، اس سے اچھی کوئی چیز میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ میانہ قد تھے، طول کی طرف کسی قدر مائل، رنگ نہایت گورا، ریش مبارک کے بال سیاہ، دہانہ نہایت مناسب اور حسین، آنکھوں کی پلکیں دراز، چوڑے شانے۔ آخر میں کہتے ہیں کہ میں نے آپ جیسا آپ کے پہلے یا آپ کے بعد کبھی نہیں دیکھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے حریر و دیباج کو بھی آپ کے دست مبارک سے زیادہ نرم نہیں پایا۔ نہ آپ کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو سونگھی۔ اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق و شمائل کا یہ ایک مختصر خاکہ ہے۔ آپ کی سیرت لکھنے کے لیے بڑے سے بڑے دفتر بھی کم پڑ جائیں گے۔

سیرت رسول اللہ ﷺ اور ہماری ذمہ داری:

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم تمام اہلِ ایمان آپ کی سیرت اور آپ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوکر نہ صرف اپنی دنیا وآخرت سنواریں بلکہ ساری دنیا کو بھی اس پیغام سے روشناس کرائیں۔ اسلام کی تبلیغ میں جہاں کلامِ الٰہی واحادیث نبوی کا کردار ہے وہیں آپ ﷺ کی عملی زندگی، صحابہ کرام، اولیاء اللہ کی زندگیاں اوران کا اخلاق وکردار بھی اسلام کی تبلیغ کا ذریعہ بنیں۔ ہم کو بھی اسلامی سفیر بن کر عملی زندگی سے دوسروں تک اسلام کا پیغامِ امن پہنچانے کی پوری کوشش کرنی ہوگی تب ہی ہم بہترین امت کہلانے کے حقدار ہوں گے، تب ہی ہم ساری دنیا سے دہشت گردی، انتہا پسندی اور ظلم و جبر کا خاتمہ کرنے کی پوزیشن میں آئیں گے۔ ہم سب ربیع الاول کے پیغامِ محمدی کو اپنے سینے سے لگائیں۔ ربیع الاول کے جشن جلوسِ محمدی اور جلسوں کے وقت اپنا محاسبہ کریں، جائزہ لیں کہ ہمارے اندر تعلیماتِ رسول اللہ ﷺ کا عملی حصہ کتنا پایا جاتا ہے۔ اللہ ہم تمام مسلمانوں کو عمل کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔